182

مقدمہ

شیخ محمد قیام الدین (قائم) چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام مختلف تذکرہ نویسوں نے کسی قدر اختلاف سے لکھا ہے۔ مثلاً میر صاحب اپنی (نکات الشعرا) میں اور میر حسن اپنے تذکرے میں محمد قائم لکھتے ہیں۔ علی ابراہیم اور 'لطف' نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ مصحفی نے قیام الدین علی لکھا ہے۔ کردیزی بھی محمد قائم ہی لکھتا ہے۔ کمال اور گارساں دتاسی قائم الدین بتاتے ہیں۔ لیکن اصل نام محمد قیام الدین ہی ہے، جیسا کہ خود انھوں نے اس تذکرے کے شروع میں لکھا ہے۔ میر صاحب اور مصحفی ان سے ذاتی طور پر واقف تھے ــ

اگرچہ 'قائم' چاند پور کے رہنے والے تھے، لیکن ملازمت کے سلسلے میں "بدوشعور" سے اُن کا رہنا دلی میں ہوا۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں وہ شاہی توپ خانے کے داروغہ ہوگئے۔ [چن]انچہ یہ تذکرہ بھی اُسی زمانے میں لکھنا شروع کردیا تھا کہ ان کا قیام دلی میں تھا۔ جب وہ دلی پہنچے ہیں تو [میر] تقی، خواجہ میر درد، سودا وغیرہ جیسے باکمال اُستاد وہاں موجود تھے اور اردو شاعری شباب پر تھی۔ کہتے ہیں کہ ابتدا میں خواجہ میر درد سے اصلاح لی مگر کچھ دنوں بعد [م]رزا رفیع السودا کے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ آزاد آب حیات [م]یں لکھتے ہیں کہ "یہ اول شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے، اُن سے

ایسی بگڑی کہ ہجو کہی - تعجب یہ ہے کہ شاہ موصوف باوجودیکہ حد سے زیادہ خاکساری طبیعت میں رکھتے تھے مگر انھوں نے بھی ایک قطعہ اُن کے حق میں کہا - پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوے، اُن کے حق میں بھی کچھ سن کے الگ ہوے - پھر مرزا کی خدمت میں آے اور اُن سے پھرے، مرزا تو مرزا تھے، انھوں نے سیدھا کیا'' اگرچہ اس تذکرے میں انھوں نے میاں ہدایت اللہ 'ہدایت' اور خواجہ میر درد دونوں کی بہت تعریف کی ہے اور کہیں ملال کا اظہار نہیں کیا، لیکن اپنی شاگردی اور مشورے کا بھی ذکر نہیں کیا - البتہ ان کا دیوان دیکھنے پر ایک غزل میں یہ اشعار نظر آئے جن سے آزاد کے قول کی تصدیق ہوتی ہے -

حضرت درد کی خدمت میں مہر ا... نے*
عرض کی یوں کہ اے اُستاد زماں سنتے ہو
امر ہووے تو ہدایت کو کروں میں سیدھا
واں سے ارشاد ہوا یہ کہ میاں سنتے ہو
راست ہوتے ہیں کسو سے بھی کبھی کج طینت
تیر بنتی ہے کہیں شاخ کماں سنتے ہو

مرزا کے حال میں بھی اگرچہ اپنی شاگردی کا اشارہ نہیں کرتے، مگر ذکر اس طرح سے کیا ہے جو ایک سعادت مند شاگرد کے شایاں ہے - اور اپنی غزل کے ایک مقطع میں تو صاف صاف اس کا اقرار کیا ہے :-

(قائم) یہ فیض حضرت (سودا) ہے ورنہ میں
طرحی غزل سے (مہر) کے آتا تھا بر کہیں

* اصل نسخے میں اسی طرح لکھا ہے یہاں کئی لفظ رہ گیا ہے -

لیکن کچھ عرصے بعد جب امور سلطنت میں اختلال پیدا ہوا اور امن و امان اور فارغ البالی جاتی رہی تو وہ باکمال بھی جن کی بدولت دلی دلی تھی، ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگے اور وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی جان تھیں، خواب و خیال ہوگئیں۔ قائم بھی دل برداشتہ ہوکر وطن چلے آئے اور کچھ دنوں ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں کی سرکار میں بسر کی۔ مصحفی بھی اُن دنوں اسی سرکار کے متوسل تھے۔ دونوں کی ملاقات یہیں ہوئی۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ اُس وقت وہ لباس درویشی میں تھے۔ نواب بڑی فیاضی سے اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے اور شعر و سخن سے خاص ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ قائم نے اپنی غزل کے ایک مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:-

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے 'امیر'
مجتمع سایہ میں ہیں جس کے سخنداں اتنے

امیر، نواب محمد یار خاں کا تخلص تھا۔ تین ماہ سے زیادہ نہ رہنے پائے تھے کہ یہاں وہی انقلاب رونما ہوا، جو ہندوستان میں اس وقت ہرجگہ بپا تھا۔ قائم مجبور ہوکر رام پور چلے گئے اور نواب فیض اللہ خاں والیٔ رام پور کے بیٹے احمد یار خاں نے اُن کی کچھ تنخواہ مقرر کردی اور فوجی خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن اس تنخواہ میں ان کی بسر نہ ہوتی تھی، جب زیادہ پریشان ہوے تو لکھنؤ پہنچے اور راجہ تکیت رائے سے اپنے وطن کے عامل کے نام شقے، اور پروانے حاصل کئے تاکہ اپنی قدیمی ملک اور یومیہ بحال کرائیں۔ اس میں

انھیں کامیابی ھوئی مگر رام پور پہنچتے ھی اجل نے آلیا اور سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کر گئے۔

ان کے سنہ وفات میں بہت اختلاف ھے۔ مصحفی نے وفات کا کوئی سنہ نہیں لکھا، صرف اتنا لکھا ھے کہ رام پور سے انتقال کی خبر پہنچی۔ مصحفی کا تذکرہ ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ھ میں لکھا گیا ھے۔ علی ابراھیم (اور لطف) فیلن اور کریم الدین نے سنہ ۱۲۱۰ھ بتایا ھے۔ 'شیفتہ' اور بعض اور تذکرہ نویسوں نے بھی اسی کو نقل کر دیا ھے۔ گارساں دتاسی نے سنہ ۱۲۰۷ھ لکھا ھے۔ 'جرأت' نے 'قائم' کے انتقال کی تاریخ اس شعر سے نکالی ھے:—

جرات نے کہی یہ رو کے تاریخ وفات | یکتائی کے ساتھ
'قائم' بنیاد شعر ھندی نہ رھی | کیا کہئے اب آہ

اس مصرع سے سنہ ۱۲۰۸ھ ھی نکلتے ھیں اور یہی صحیح ھے —

'قائم' کی شاعری کی سب تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ھے اور اکثر نے میر و مرزا کے بعد اسی کو مانا ھے۔ بعض تو اسے 'سودا' سے بھی بڑھ کر مانتے ھیں۔ مصحفی لکھتے ھیں:—

"در پختگئی کلام و چستی مصراع غزل و رویۂ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ می رود، بلکہ در بعضے مقام غلبہ می جوید" —

علی ابراھیم یا لطف کہتے ھیں:—

"سچ تو یہ ھے کہ بعد سودا اور میر کے کسی

ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے ، راقم
آثم کو تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے
نہایت مرغوب ہے " —

آزاد کی رائے ہے کہ
" ان کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے
نیچے نہیں رکھہ سکتے مگر کیا کیجیے کہ قبول عام
کچھہ اور شے ہے ، شہرت نہ پائی " —

میر ' حسن ' فرماتے ہیں کہ
" طرزش بطرز طالب آملی میماند۔ مثنوی ها بسیار
گفتہ و بسے در ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ " ۔

کریم الدین (فیلن) کی رائے ہے کہ
" عجب طرح کا شاعر خوش گفتار ، بلند مرتبہ ،
موزوں طبع ، عالی مقدار ہے کہ اس کی برابری
اچھے اچھے شاعر نہیں کر سکتے .... بعض بعض
آدمی جو کہ اس کو ' سودا ' سے بہتر کہتے ہیں ،
حق یہ ہے کہ سچے ہیں اور بعضے کم مایہ اور
بے استعداد جو اس کو برابر ' سودا ' کے گنتے ہیں
خیال سودا اور دیوانگی کا کرتے ہیں " —

بخلاف اس کے شیفتہ کی رائے میں انہیں ' سودا ' کا ہم پلہ سمجھنا سودا ہے ۔ البتہ وہ ان کے قطعات و رباعیات کی بہت تعریف کرتے ہیں —

اس میں شک نہیں کہ ' قائم ' بہت بڑا شاعر ہے ، لیکن اسے میر و مرزا کا ہم رتبہ کہنا سراسر ناانصافی ہے ۔ اس کا

کلام ہر صنف میں موجود ہے - غزلی، رباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، ترکیب بند، تاریخ سب کچھ کہا ہے - ہجو کہنے اور فحش بکنے میں وہ اپنے استاد کے ہم پلہ ہے - متعدد مثنویاں لکھی ہیں، جن میں بعض قصے سلیقے سے نظم کئے ہیں، قصیدوں میں بھی زور پایا جاتا ہے —

اکثر تذکرہ نویسوں نے اُن کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے، جو اب تک نایاب تھا اور اب شائع کیا جا تا ہے - 'قائم' کا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کوئی تذکرہ شعراے ریختہ کے بیان میں نہیں لکھا گیا - یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہو تا کیونکہ اس سے دو چارسال قبل میرتقی میر اور علی الحسینی الکردیزی نے اپنے تذکرے لکھے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ 'قائم' کو ان تذکروں کی اطلاع نہ تھی، لیکن ڈاکٹر شپرنگر کا یہ کہنا کہ 'قائم' نے جو اقتباسات ریختے کے شاعروں کے دیے ہیں، وہ وہی ہیں جو کردیزي کے تذکرے میں پائے جا تے ہیں، صحیح نہیں ہے - دونوں تذکرے ہمارے سامنے ہیں، اشعار کے انتخابات اور حالات دونوں مختلف ہیں —

خواجہ اکرم نے اس تذکرے کے لئے ایک قطعۂ تاریخی لکھا تھا جس میں مادۂ تاریخ ''مخزن نکات'' تھا، 'قائم' کو یہ مادہ پسند آیا اور تذکرے کا یہی نام رکھ دیا - اس سے سنہ تالیف ۱۱۶۸ھ نکلتاھے- اس میں 'قائم' سمیت ۱۱۴ شعرا کا تذکرہ ہے - اگرچہ یہ تذکرہ مختصر ہے، مگر بعض حالات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے - قائم نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے- طبقۂ اول میں متقدمین کا، طبقۂ دوم میں متوسطین کا اور

طبقۂ سوم میں متاخرین کا ذکر ہے - اگرچہ میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے، لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"باید دانست کہ چوں فن ریختہ درآں وقت از محل اعتبار ساقط بود، بناءاً علیہ ہیچ کس بر توغل آں اقدام نمی نمود، ایں دوسہ چار بیت کذائی کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاے نظمش ہزلے بیش نباشد، اما بعد ازیں بسمت بلاد دکھن در عہد عبداللہ قطب شاہ کہ با سخنوراں بہ صحبت و مواسا پیش می آمد، ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت"—

اگرچہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے اس کی ابتدا قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ خود بڑے شاعر گزرے ہیں، تاہم 'قائم' نے دکھنی ریختے کو خاص اہمیت دی ہے - اگرچہ وہ اس شاعری کے زیادہ قائل نہ تھے، چنانچہ ان کا شعر مشہور ہے:—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

قائم نے طبقۂ اول کی ابتدا شیخ سعدی شیرازی سے کی ہے اور لکھا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ جب شیخ سعدی گجرات میں تشریف لاے اور جیسا کہ 'بوستاں' میں مذکور ہے سومنات کی مجاوری تو یہاں زبان سے واقفیت حاصل کر کے ایک دو غزلیں ریختے میں لکھیں - اگر چہ یہ صحیح نہیں

معلوم ہوتا، لیکن سعدی کے نام سے جو ایک مشہور غزل فارسی اردو کی ملی جلی چلی آرہی ہے، اس کی نسبت عام طور پر یہی خیال تھا کہ شیخ سعدی شیرازی کی تصنیف ہے۔ میر صاحب نے اپنے تذکرے میں اس خیال کی تردید کی ہے۔ سعدی کے بعد امیر خسرو کا ذکر کیا ہے اور پھر دوسرے قدیم شعرا کا۔

ہر طبقے کے شروع میں اُس طبقے کے شعرا کی خصوصیات کا مختصر ذکر کردیا ہے اور اُن کی رائے اس بارے میں بہت خوب اور صائب ہے۔ بعض بعض شعرا کے کلام کے متعلق بھی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بہت کم ہے۔ اس خصوص میں میر صاحب کے تذکرے کو فوقیت حاصل ہے۔ بیان صاف اور سیدھا ہے، عبارت آرائی اور تشبیہ و استعارہ سے کم کام لیا ہے۔ تذکرے کے آخر میں قائم نے اپنا ذکر بھی مختصر طور پر کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ہر چند از باشندگان قصبۂ چاند پور است اما از بدو شعور تابایں حال بتوسل نوکری بادشاہی بدارالخلافت شاہجہاں آباد گذرا ندہ"۔ اس سے زیادہ اس تذکرے میں ان کے حالات کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے رخصت ہونے سے قبل ہی یہ تذکرہ تحریر میں آگیا تھا، کیونکہ اس کے بعد ہی وہ لکھتے ہیں کہ شاہی انتظام میں خلل آجانے کی وجہ سے میں نے سفر کا ارادہ مصمم کرلیا تھا، لہذا فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان حالات کو قلم بند کرنا شروع کردیا۔

قائم کی شاعری کے ساتھ یہ تذکرہ بھی بلا شبہ قابل قدر ہے اور اس سے اردو شعرا کے حالات اور کلام کے متعلق بصیرت

حاصل ہوتی ہے —

قائم نے اپنے تذکرے کے ساتھہ اپنے کلام کا انتخاب بھی دیا ہے ' لیکن یہ انتخاب بہت ہی کم ہے اور وہ بھی الف کے چند شعر ہیں - اس لئے ہم یہاں اس کے کلام سے کچھہ اور اشعار بھی درج کرتے ہیں تا کہ سخن فہم اُس کے کلام کی خوبی کا اندازہ کر سکیں —

لیکن انتخاب سے قبل ایک بات میں اور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض نظمیں سودا اور قائم دونوں کے کلیات میں مشترک پائی جاتی ہیں - مثلاً موسم سرما کے ہجو میں جو مثنوی ہے اور جس کا مطلع یہ ہے :—

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

دونوں کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہے . لیکن یہ نظم غالباً سودا کی ہے کیونکہ اسی کے ساتھہ کی دوسری مثنوی موسم گرما کے ہجو میں موجود ہے - لیکن میر حسن کے تذکرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے 'قائم' ہی کی مثنوی خیال کرتے ہیں - ایک اور طویل عشقیہ مثنوی جس کا پہلا شعر یہ ہے :—

الہی شعلہ زن کر آتش دل   تب دل دے بقدر خواہش دل

لطف یہ ہے کہ مثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے - اس سے صحیح فیصلہ کرنا اور بھی دشوار ہوجاتا ہے - مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ مثنوی قائم ہی کی ہے جو غلطی سے سودا کے کلیات میں درج ہوگئی ہے - اسی طرح اور کئی مثنویاں

جن میں چھوٹے چھوٹے قصے اور حکایتیں منظوم کی ہیں
دونوں کے کلام میں مشترک پائی جاتی ہیں ــــ

انتخاب

قائم کے پہلے تین شعر عام طور پر مشہور ہین اور بہت
مقبول ہوے ہیں :-

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا   آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

*کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جاے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یہاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

اٹھ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک حباب کا
کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام سے کہو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
ایسی ہوا میں پاس نہ ساقی نہ جام مے
رونا بجا ہے حال پہ تیرے سحاب کا
اس دشت پر سراب میں بھٹکے بہت پہ حیف
دیکھا تو دو قدم پہ ٹھکانا تھا آب کا

کے جو وہ شوخ نظر کر گیا   تیر سا کچھ دل سے گزر کر گیا
ک کا سا ڈھیر سر رہ ہوں میں   قافلۂ عمر سفر کر گیا

---

* (ن) ٹوٹا جو کعبہ کون یہ ـ

چھپ کے ترے کوچے سے گزرا میں لیک — نالہ ایک عالم کو خبر کر گیا

تا بفلک نالہ تو پہنچا تھا رات — میں ہی کچھ اللہ کا ڈر کر گیا

پوچھ نہ قائم کٹی کیونکر عمر — جوں ہوا یک چند بسر کر گیا

فلک جو دے تو خدائی تو لے نہ اب 'قائم'
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یہاں حسن سے بھی دور گیا

برنگ طائر نو ہم اسیر اے صیاد
وہ ہیں کہ جن کا گلوں بیچ آشیانا تھا
معاملہ یہ ہے دل کا اسے کہے گا وہ کیا
پیامبر کے ہمیں آپ ساتھ جانا تھا
یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوائے دوستی لیکن
کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

رہبر فرقۂ اسلام رہا ساری عمر
حیف پر یہ ہے کہ میں آپ مسلماں نہ ہوا
دیکھ مجکو کہ سلیماں کا دیا زور مجھے
ایک چیونٹی سے پہ میں دست و گریباں نہ ہوا
تھا گل تازہ میں پر حیف کہ بخت بد سے
زینت گوشۂ دستار عزیزاں نہ ہوا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گرفتہ طبع جو مجھسا چھٹا قفس سے تو کیا
رہائی جس کی اسیری کا ننگ ہے صیاد
نہ گل بجا نہ بلبل چمن میں نغمہ سرا
مری خلاصی میں اب کیا درنگ ہے صیاد
قفس کی تنگی سے میں ہی نہ تنگ ہوں 'قائم'
مری بھی تنگیٔ حالت سے تنگ ہے صیاد

کی کس کی نگاہوں نے یہ تاثیر ہوا پر
چلتی ہے جو یہ برق سی شمشیر ہوا پر
جی میں ہے، میاں آج نگہ کی تری تیزی
کیجیے قلم برق سے تحریر ہوا پر
مت قصر کو ہستی کے گرا، دیکھ کہ غافل
مانند حباب اُس کی ہے تعمیر ہوا پر
کب بند ہوں بہ رنگ تعلق میں سبک روح
کھنچتی ہے کوئی رنگ سے تصویر ہوا پر

بے شغل نہ زندگی بسر کر — گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول امل نہ وقت پیری — ہوئی صبح فسانہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرضی ہے زندگی بھی — اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

نہیں گھٹتا میں دل ترک تمنا یہ جتنی ہو سکے اتنی ہوس کر
فریب باغباں پر ہو کے غافل نہ اے بلبل اکٹھے خار و خس کر
بہار عمر ہے 'قائم' کوئی دن اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

ہے یہ اگر ایسی ہی جو اپنی کشش دل
جی لے ہی کے چھوڑے گی یہ ایک دن خلش دل
تھا نبو مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ
لے جائے نہ گھر سے کہیں باہر طپش دل
زہر آب و ہلاہل سے جو کچھ کام نہ نکلا
دے کر کے میں کی خون جگر پرورش دل
کس طرح کوئی گذرے ترے رہ سے پیارے
ہر گام پہ اس کوچے میں ہے چپقلش دل
ہاتھوں سے دل و دیدہ کے آیا ہوں بہت تنگ
آنکھوں کو روؤں یا میں کروں سرزنش دل

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم پھر تجکو نہ منہ دکھائیں گے ہم
مشکل ہے نہ آنا تجھ گلی سیں پر یہ بھی سہی نہ آئیں گے ہم
جو آگے کہا گئے ہیں تجھ سے سو اب کے وہ کر دکھائیں گے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا تک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
آزردہ ہو غیر سے، لو یہاں اس عہدے سے بر نہ آئیں گے ہم
گر زیست ہے تجھ تلک تو پھر کیا صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم
جوں چاہئے چاہ کا سر شتہ جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
اس پر بھی اگر ملیں گے تو خیر 'قائم' ہی نہ پھر کہائیں گے ہم

'قائم' جگہ ہے رونے کی یہ حالت تباہ
اس صحن گلستاں کے وہ ہیں دل فگار ہم
کھٹکا صبا کے پانوٗ کا سن کر برنگ بو
آغوش گل میں ہوتے تھے نت بے قرار ہم
کیا جانتے تھے ہم کہ یہ اک دن بہے گی باو
اس مرتبہ کو ہوئیں گے بے اقتدار ہم

میرا سا لب و لہجہ کہاں مرغ چمن میں
گل کتروں ہوں سو رنگ کے میں طرز سخن میں
غربت میں مرا حال جو دیکھے ہے تو قاصد
زنہار نہ کہیو اسے یاران وطن میں

ایک جاگہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں
پائے دیوار سے پھر میری طرح وہ نہ اٹھا
جس نے دیکھا تجھے یک بار سر بام کہیں
عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے اے دل
ٹک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں
عزم کعبے کا تو 'قائم' تو کیا ہے لیکن
رہن مے کیجو نہ وہاں جامۂ احرام کہیں

ایک آب و تاب مہ و آفتاب رکھتے ہیں
یہ روکشی کی تری کب وہ تاب رکھتے ہیں

زبان عشق شکایت سے لال ہے ورنہ
ہم ایک گلے کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

حسن معنی چاہئے تزئین ظاہر ہیچ ہے
کیا کرے اس گل کو لے کے کوی کہ جس میں بو نہیں
مد توں اہل حرم پر حکم رانی کی ہے یہاں
کیا ہوا گر بت کدے میں آج ہم کو رو نہیں
خو برو دو دن کسی کے ساتھ کر لیں اختلاط
پر جو یہ چاہو کہ یہ ہوویں کسو کے سو نہیں
وضع دوراں کو خوشامد دوست ہے 'قائم' تو ہو
ہر کس و ناکس سے دب چلنا یہ اپنی خو نہیں

ہم سری اس قد رعنا سے ہے اے سرو غلط
تو بھی ہرچند ہے موزوں پہ یہ انداز کہاں
دل سے رخصت ہو بس اے خواہش گلگشت کہ اب
تاب رفتار کدھر، طاقت پرواز کہاں
ہمت عشق نہ ہو حسن خط و خال میں بند
صید ہر مور و مگس ہوتے ہیں شہباز کہاں
'قائم' اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل کھلے نالے سے جس کے وہ ہم آواز کہاں

پھر اس کے کہ خوب رویئے، اور غم دل کا کوئی علاج نہیں
اب بھی قیمت ہے دل کی گوشۂ چشم اتنی یہ جنس بے رواج نہیں

کرنہ جرأت تو اے طبیب کہ یہ دل کا دھڑکا ہے اختلاج نہیں
دو جہاں بھی ملے تو بس ہے ہمیں یہاں کچھ اتنی تو احتیاج نہیں

مجلس مے سے مشابہ ہے خرابات جہاں
جان کر یہاں جو نہو مست وہ ہشیار نہیں
مے کی توبہ کو مدت ہوی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جاے تو انکار نہیں

جو کوی در پہ ترے بیٹھے ہیں دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
جوں نم اشک تو کس سے ہے خفا یہاں کوی پل میں گرے بیٹھے ہیں
دردِ دل کیونکر کہوں میں اس سے ہر طرف لوگ گھرے بیٹھے ہیں

کہاں کا غرۂ شوال کیسا عشرۂ ذی حج کا
ہمیں ساقی آے ہے جس دن ہم اُس دن عید کرتے ہیں
مزاج خس ہے اہل عشق کا جلنے کے عالم میں
جلاتا ہے جو اُن کو اس کی یہ تائید کرتے ہیں
یہ کاسہ سر تلے رکھے جو میخانوں میں سوتے ہیں
جسے چاہیں اُسے اک جام میں جمشید کرتے ہیں
جنہیں کچھ سلسلہ میں عشق کے تحقیق حاصل ہے
وہ کب مجنوں سے ہر گمراہ کی تقلید کرتے ہیں
نہ جانے کہئے کس قالب میں 'قائم' دردِ دل اُس سے
نہیں بنتی زباں سے دل میں جو تمہید کرتے ہیں

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھو جو روے ہیں خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مرچکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لیے
حباب وار تنک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

جوں شمع دم صبح میں یہاں سے سفری ہوں
تک منتظر جنبش باد سحری ہوں

جاتا ہوں، میں جیدھر کو وہ منہ پھیرے ہے مجھ سے
گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں

نے گریۂ شب ہوں میں نہ آہ سحری ہوں
جوں بانگ جرس نیم نفس بے اثری ہوں

دیکھا نہ میں جز سایۂ بازوے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

میں پیرہن اپنے میں سماتا نہیں جوں گل
جس وقت سے آمادہ پئے جامہ دری ہوں

سو خضر سے کم حوصلہ واں جی سے گئے ہیں
جس دشت خطر ناک کا میں رہ گذری ہوں

جوں سرو رکھا سنگ جفا سے مجھے آزاد
مرہون تیرا جی سے میں اے بے ثمری ہوں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں　　یہاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تا کہا امتحان صبر کہ شوخ — دل ہے آخر یہ کچھ جماد نہیں
سچ ہیں سارے کمال حضرت شیخ — لیک دل کو کچھ اعتقاد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات — ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں
ہو جیے کس سے داد خواہ بتاں — اس ستم کی جہاں میں داد نہیں
یار اگر چاہتا ہے دے 'قائم' — جان کچھ دل سے تو زیادہ نہیں

———

جوں شیشہ بھرا ہوں مے سے لیکن — مستی سے میں اپنی بے خبر ہوں
جو کہیے سو یہاں سے ہے فروتر — کیا جانے میں کس مقام پر ہوں

———

کونسا دن کہ مجھے اس سے ملاقات نہیں
لیک جی چاہے ہے جوں ملنے کو وہ بات نہیں

———

ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو میاں
سنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

———

عبث ہیں ناصحا ہم سے زخود رفتوں کی تدبیریں
رکے ہے بحر کب گو موج سے ہوں لاکھ زنجیریں
ہماری آہ سے آگے تو پتھر موم ہوتے تھے
یہ کیا جانے وہ اب کیدھر گئیں نالے کی تاثیریں
گریباں کی تو 'قائم' مدتوں دھجیں اڑائی ہیں
یہ خاطر جمع اس دن ہوے جب سینے کو ہم چیریں

———

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
'قائم' یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

یوہیں رنجش ہو اور گلا بھی یوہیں
ہو جے ہر بات پر خفا بھی یوہیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھاگیا یہ طور
واقعی یہ کہ ہے مزا بھی یوہیں
صید کنجشک سے نہ ہاتھ اُٹھا
آکے پھنس جائے ہے ہما بھی یوہیں
کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی یوہیں

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں*

کمال جگ میں سزاوار ناز ہے یہ سچ
پہ ناز کرنے کو انساں میں کچھ کمال بھی ہو

عاشق نہ تھا میں بلبل کچھ گل کے رنگ و بو کا
ایک اُنس ہو گیا تھا اس گلستاں سے مجھ کو

---

* (ن) گل چھڑیاں

تک تو خاموش رکھو منہ میں زباں سنتے ہو
اپنی ہی کہتے ہو میری بھی میاں سنتے ہو
سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو
خشک و تر پھونکتی پھرتی ہے سوا آتش عشق
بچیو اس آنچ سے اے پیر و جواں سنتے ہو

کچھ لکھوں سوز دل اپنے سے اُسے اے قاصد
جائے کاغذ ہو اگر بال و پر پروانہ
شمع تک جاتے تو دیکھا تھا میں اس کو 'قائم'
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ
'قائم' سمجھ کے بولیو تو آپ کے حضور
پیارے معاملت ہے سخن آشنا کے ساتھ

یک شب دیکھی جن نے وہ زلف   لاکھوں دیکھے روز سیاہ
اتنی تو مت ہو جلد نسیم   ہم بھی چمن تک ہیں ہمراہ
کوندی ہے دل پر برق سی آج   پڑیں نظر ہے کس کی نگاہ
وعدہ کر کے رات کا تم   خوب ہی آئے واہ جی واہ
'قائم' سے کوئی ہوئے خفا   بندۂ خادم دولت خواہ

شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

روے اس غم کدہ میں آج کس کس کو یہاں
دیکھتے نظروں کے اپنے اک خدائی کیا ہوئی
گو کسی حالت میں ہو میں سمجھوں ہوں تجھے
ہے تو تو' وہی پہ تیری کبریائی کیا ہوئی

جوں موج میرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے
کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں
کس دن نہ بھری گود میری لخت جگر سے
وہ خار یتیمی زدہ اس دشت میں میں ہوں
پالا ہے جسے آبلہ نے خون جگر سے

دمبدم اس بخشش بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ
دل دیا تجکو تو ہم نے کچھہ گنہ کاری نہ کی

اگرچہ صبح تلک ہمدگر تھے گرم سخن
پہ کہہ سکا نہ کچھہ اس سے میں بات مطلب کی
سوائے دل شکنی سب مباح ہے یہاں شیخ
خبر نہیں تجھے رندوں کے دین و مذہب کی
سوال بوسہ جو 'قائم' کیا میں شب تو کہا
کہ کہیے چھیڑ کہیں اور جاکے اس ڈھب کی

دم قدم تک ہے ہمارے ہی جنوں کی رونق
اب بھی کوچوں میں کہیں شور فغاں سنتے ہو

میں کہا خلق تمہاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھ ذکر و بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یوں بات
ہوئے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

نے ہجر چاہتا ہوں نہ وصل حبیب کو
یا رب کہیں ہو صبر دل ناشکیب کو
وے بھی تو آدمی ہیں کہ جن سے تم کو ربط
کیا شکوہ تم سے، روئیے اپنے نصیب کو

بھول کر بھی وہ نہیں یاد سے جاتا اپنی
جان کر یاد سے جن نے کہ بھلایا مجھکو
کچھ تو تھی بات خلل کی کہ شب ان نے محرم
غیر کے آتے ہی مجلس سے اٹھایا مجھکو

جی میں چہلیں تھیں جو کچھ سو گئیں وہ یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ
میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
یارو کہتے تھے جو تم لالہ و گل ہے سو کہاں
سر پٹکنے تو نہ آیا تھا میں کہسار کے ساتھ

ہائے صیاد یہ انصاف سے تیرے ہے بعید
یہاں تلک کیجئے ستم اپنے گرفتار کے ساتھ
گرچہ بلبل ہوں میں 'قائم' ولے اس باغ کے بیچ
فرق کوئی نہ کرے گل کو جہاں خار کے ساتھ

آج اگر بزم میں ہے کچھ اثر پروانہ
اڑتے ہیں پائے لگن چند پر پروانہ
آتش عشق میں جلنا نہیں ہے کار آساں
ہر مگس سے نہ طلب کر جگر پروانہ
وضع پر اپنے ہے یہاں شادی و غم ہر یک کا
شام ماتم سے ہے کیا کم سحر پروانہ

ہم نشیں ذکر یار کر کچھ آج اس حکایت سے جی بہلتا ہے
دل مژہ تک پہنچ چکا جوں اشک اب سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے
آج 'قائم' کے شعر ہم نے سنے ہاں اک انداز تو نکلتا ہے

جوں طفل سرشک ارغوانی پامال ہوئی مری جوانی
ہر سانس گراں ہے تن پہ میرے اللہ رے ضعف و ناتوانی
دو چیز ہیں یادگار دوراں تیرا ستم اپنی جانفشانی
ہے رشک مجھے پیامبر تک گو تجھسے کہے مری زبانی

وہ دن گئے کہ لوہو آتا تھا چشم تر سے
اب لخت دل ہے کوئی یا پارۂ جگر ہے

غافل قدم کو اپنے رکھیو سنبھال کر یہاں
ہر سنگ رہگذر کا دوکان شیشہ گر ہے

کب نالہ بلائے جان نہیں ہے کب آفت دل فغاں نہیں ہے
کب چشم پہ فتناگوار نہیں خواب کب دل پہ نفس گراں نہیں ہے
ہے کونسا دم کہ تازہ نوحہ سر جوش لب و دہاں نہیں ہے
کس دن نہ دل برنگ اخگر صد آتش غم نہاں نہیں
کب رات ہوئی کہ چشم ترسے جو نالۂ دل رواں نہیں ہے
سب کچھ ہے جو چاہئے مگر صبر ایک جنس ہے وہ کہ یہاں نہیں ہے
بس تا بکجا اٹھائیں یہ غم کیا ہم ہیں تو ہم میں جان نہیں ہے
کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد پر خوب تو مہرباں نہیں ہے
سو بات کہوں پر اس کے آگے گویا منہ میں زباں نہیں ہے
'قائم' سا عزیز خوار ہو حیف کوئی ہند میں قدرداں نہیں ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے
فلک رلائے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
ہزار حیف کہ گلچیں ہے اس جگہ گستاخ
میں جس چمن میں یہ چاہوں تھا یہاں صبا نہ پھرے

تھی خبر بھی کہ رات پیارے تم غیر کی گفتگو نہ سمجھے
سمجھو گے ہمارے بعد ہمکو پر حیف کہ روبرو نہ سمجھے

ایک عرض تو تھی پر اُس سے پیارے
کیا کہئے جو بات کو نہ سمجھے

قسمت کہ وہ چارہ گر اپنا
جو زخم سے تا رفو نہ سمجھے

سو حرف ہیں خامشی میں لیکن
اس بات کو ہرزہ گو نہ سمجھے

شایاں چمن نہیں وہ بلبل
ہر گل کا جو رنگ و بو نہ سمجھے

سمجھا رہے ہم تو تجکو 'قائم'
پر کیجئے کیا جو تو نہ سمجھے

قطعات و رباعیات کی اگرچہ شیفتہ نے تعریف کی ہے لیکن وہ ایسے زیادہ تعریف کے قابل نہیں ' اُن میں زیادہ تر لفظوں کے ہیر پھیر اور تلازمے سے مضمون پیدا کئے ہیں - نمونے کے طور پر ایک قطعہ اور ایک رباعی درج کی جاتی ہے —

رباعی

قائم جو تو نواب سے دکھہ پایا ہے
کچھ بھڑوے کو جو زباں پر آیا ہے

سر مہ نہیں کھایا کہ رہیگا خاموش
کھایا ہے اگر تو تو' نمک کھایا ہے

قطعہ

انداز نگاہ رکھہ سخن میں
یعنے جو کہے ہے نیک کہہ تو

دو گوش ترے ہیں اور زباں ایک
تا دو نہ سنے نہ ایک کہہ تو

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

اورنگ آباد (دکن)

فہرست مضامین

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۳	نل ہن	نل دمن	۲۱	۱۱	انجا	انجبا	۴۶	۱۴	لواجی	نواحی
۳	۱۸	بنرنے	بنرلے	۲۲	۱۳	ہمنش	ہمنفش	۴۱	۹	دیکھے دیکھے	دیکھی دیکھی
۸	۲	تبنغ	متتبع	۲۴	۱۷	ل ہاہی	ل رہا ہے	۴۶	۱	برسرروش	برسردوش
۹	۱۵	زاہد	زہد	۳۵	۱۷ او ۱۸	بادو ستوہا	بادیدتہا باد	۴۹	۱۷	سلانش	سلاتش
۱۳	۵	کہرپسبر	کھرپسبر	۳۶	حاشیہ محاذی	گلستان بیاد	×	۷۰	حاشیہ ۸	نظیر	×
۱۹	۱۱	کھیا	کھیسا	۳۷	۶	زانوں کو	راتوں کو	۷۲	۳	اور درخلوت	اودر خلوت

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد سخن آفرین کہ بنائے مصرع موزوں قامت خوباں گزاشتہ اوست و بیت ناخن بدن ابروئے محبوباں کہ دل از دست می برد نگاشتہ او و تحف تحیات بجناب رسالت مآب کہ ناظم حقیقی دیوان کائنات را بمصداق کلام صدق التیام لولاک بہ یمن ذات مبارکش تدوین نمودہ و رباعی مدارج اربعہ را با چہار یار رش کہ چو مصراع رباعی عناصر باعث قیام عالم از حسن تزئین فرمودہ بضمیر مہر تنویر سخن طرازان ہندوستان و طوطیان شکر شکن این بوستان مخفی و محتجب نماند کہ تا الی آلان در ذکر و بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ کتابے تصنیف نگردیدہ و باین زبان ہیچ انسانی از اجرائے شوق افزائے سخنوران این فن سطرے تالیف نرسانیدہ بنا بر این فقیر مولف محمد قیام الدین قائم بعد کوشش تام و سعی تمام د داوین این اعزہ فراہم آوردہ پارہ ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل این بیاض کہ بمخزن نکات موسوم است بقید قلم در آوردہ برائے امتیاز طرز کلام طبقات علیحدہ کہ تفصیل آن پیشتر است ترکیب دادہ شاید کہ مقبول خاطر خطیر صاحبدلے گردد یا در نظر والا نظرے منظور افتد بہر حال التماس بجماعت معنی شناس آنست کہ این ہیچمدان را بجلد وئے

این خدمت بدعائے خیر یاد فرمایند واز خطائے رفتہ کہ خواص بشری است اغماض نمایند مصرع

که هیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

طبقہ اول

طبقۂ اوّل۔ در بیان اشعار شعرائے متقدمین۔
طبقۂ دوم در ذکر کلام سخنوران متوسطین۔
طبقۂ سوم در بیان اشعار و احوال سخن طرازان متاخرین

طبقۂ اول اتفاق جمہور برآں است کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند بسبب مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستاں مذکور است بزبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو غزل ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد مع دیگر ابیات بر سبیل تفنن ارشاد فرمودند بعد ازاں حضرت امیر برہاں بناطراحی و تعمیر ہائے بسیار ایکار بردند ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویان حال است لیکن بپاس طبیعت مشتاقاں ہر جنس سخن دو سہ چار بیت ازاں انتخاب تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی مے گردد وانہ احوال ایں ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخین سلف در کتب تواریخ متداولہ ضبط نمودہ اند اظہر من الشمس و ابین من الامس است ؎

اے مرداں شہر شما کیسی بری یہ ریت ہے
ہے ہے نمی پرسد کسے پردیسیا ماریت ہے

سعدی طرح انگیختہ شہد و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

ایضاً

زرگر پسر چو ماہ پارہ
کچھ گھڑیئے سنواریئے پکارا

نقد دل من ربود و بشکست
آخر نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

جامع فضائلِ معنوی وصوری حقیقت آگاہ ملا نوری از قاضی زادہ ہائے قصبۂ اعظم پور است در فنِ بدیع ومعما سرآمد روزگار خود بود و شعر فارسی بسیار بر تبہ می گفت چنانچہ قصائد طویل الذیل از وے یادگار است گویند وقتے کہ ابو الفیض فیضی مثنوی نل دمن تصنیف می کرد چوں بایں مصرع رسید "موئے شدہ ام زنا تواتے" بجہت تمامی معنی بند افتاد و مضمون مصرع ثانی بخاطرش نمی رسید ملائے مذکور بسابقہ معرفتے کہ داشت برائے ملاقات وے رفتہ بود بحقیقت حال دار رسیدہ مصرع بداہتہ گفت مصرع "مو بر تن من کند گرانے"۔ فیضے بر لطف طبیعتش آفریں کرد و ازاں باز او را بسیار دوست میداشت دو سہ غزل ریختہ بطور قدما از وے مسموع است اما بالفعل سوائے ایں یک بیت مقطع چیزے در خاطر نیست۔ ؎ ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد ٭ بیچارہ نوری نکرے ہے نہ ڈرے ہے ٭ محمد افضل مردے است از سکان دیار مشرق اگرچہ ربط کلامش چنداں مضبوط و مربوط نیست لیکن از انجا کہ قبول بے سبب و رد بے غضب خاصۂ جناب ازلی است تصنیفاتش بمرتبہ موثر دلہا است کہ از حیز تحریر و تقریر متجاوز است و مثنوی بکٹ کہانی بر صفحۂ روزگار از وے یادگار است ردیہ اش از قدمِ ابیاتش باقیاس باید نمود ایں یک بیت از مثنوی مشہور از دست۔

پڑے تا مل ہیں میرے جیم پھانسے   مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسے

باید دانست کہ چوں فن ریختہ در آں وقت از محل اعتبار ساقط بود دینار علیہ ہیچکس بر تو غل آں اقدام نمی نمود ایں دو سہ چار بیت کذائے کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ نشان نظمش ازیں بیش نباشد اما بعد ازیں بسمت بلاد دکھن در عہد عبد اللہ قطب شاہ کہ با سخنوران بمحبت و مواسا پیش می آید ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت بادشاہ مذکور

تیز طبع موزوں داشت اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر
می گفت وگاہے بنا بر تفنن طبیعت بحسب اتفاق دو سہ بیت جستہ جستہ در وصف خط و
خال غزالان شہرے ہم می نوشت چنانچہ ایں مطلع از دست۔

کسدر کہوں کا جاؤں میں مجھ دل پہ کٹھن بپتا پڑا ہے — یک بات کہے ہوں گے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

واکثر مستعدان ایں فن کہ درآں وقتے بودند مردم ایں دیار بر اشعار واحوال یکے
ازینہا اطلاعے نیافتہ اند مگر معدودے چند کہ در زمانہ سلطان ابوالحسن نواے شہرت
برافراختند وپارہ از ابیات ایں اعزہ بر اوراق بیاض ہائے سخن سنجان ہندوستان قلمے
نمودند بنا بریں یک گونہ از اسم ورسم اینہا تعارفے باقیست انشاء اللہ تعالیٰ بن بعد
چیزے ازاں مرقوم خواہد شد واز مراتب حوصلہ فہم معنی آگاہاں پوشیدہ نیست کہ
دماغ بیدماغاں بکاؤکاؤ ومشقت بسیار نمی تابد ہرانچہ معقول وسہلہ الحصول دید بقید
قلم در کشید ودر دسرے کہ مافوق طاقت خود یافت در تحقیق وتفحص آں بنفتاد ومفت
وقتے راکہ بدلش متصور نیست باندیشہ طول وطویل بر باد بداد مرزا ابوالقاسم مرزا
تخلص از مخصوصان سلطان ابوالحسن عرف تاناشاہ عبداللہ کنج کہ در جوار حیدرآباد
واقع است انزوا گزیدہ وبقیہ عمر بلباس فقر ہم انجا بسر برد ایں یک بیت بنام او
شہرت دارد ؎

مرزا وہ نونہال کدہر سٹ گئے چمن — دستا تھا جس کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

افضل الدین خاں فضلی تخلص بجمیع فضائل انسانی مشہور است تخصص در شیوہ سخن برائے
ممتاز روزگار خود بود مرزا ابوطالب می گفت کہ ایں عزیز بفرمائش شخصے در تعریف
حسن شاہزادہ مثنوی پانصد شعر باایں ہمہ نازکے وپرکارے موزوں کردہ است کہ ادراک

مردم آں دیار نرگس آسا بر بیاض دیدہ قلمے می سازند واز شہرے بشہرے می برند در حقیقت دوسہ چار بیتش کہ ازاں جملہ محلے سوانح اہل ہنداست خالے از حسن لطافتے نیست چنانچہ ایں ابیات از ہماں مثنوی است

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب　　تبسم لباں پر چو موج شراب
زنخ جوں مرباد سے سیو کا　　پہ کب پڑ سکے ہاتھ وہاں دیو کا

محمد غوث غوثی تخلص خلف الصدق مولانا قطب الدین قاضی حیدرآباد است در جمیع علوم و فنون مشارالیہ بود و ہمیشہ بدرس و تدریس اشتغال داشت گاہ گاہ بمقتضائے موزونئے طبیعت دو سہ مصرع ریختہ فارسی نیز موزوں می گردد در آخر عمر درد طلب دامنگیر حال او شد از خویش و قوم بر آمدہ بزیارت حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً مستعد گردید و ہم انجا ودیعت حیات سپرد ایں دو بیت ریختہ از واردات خاطر اوست ؎

تیغ بھواں کہ کن کہا گھائل نکو کرے　　پلکاں کے یا خنجر ستی بسمل نکو کرے
کاٹو جلاد راکھ کرد راضی ہیں ہمن　　سب کچھ کرد پہ ایک کٹھن دل نکو کرے

روحی تخلص مردے از پیرزادہائے حیدرآباد است روزگارے مہیا و عافیتے گوارا داشت و بخلاف احوال پراگندہ طبعاں ہرزہ روزگار و پریشاں خاطران تفرقہ شعار می زیست در اوائل جوانی بشعر و شاعری مشغول بود آخر ازاں اندیشہ باز گردیدہ مدت عمر بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت گذرانیدہ ایں دو بیت ریختہ از دے یادگار است

درپن ستے نگاہ کو مائل نکو کرے　　یہ دکھ ایس کے واسطے حاصل نکو کرے
خنجراں اتے کہ عہدہ براہیں ہو کے بوند　　پلکاں کو میرے تو لگے مقابل نکو کرے

سید شجاع الدین نوری تخلص هرچند از سادات بلدهٔ گجرات است اما تمام عمر بعلاقه روزگار در حیدرآباد بسر برده آخر حال بعهده تعلیم پسر وزیر سلطان ابوالحسن پایهٔ امتیاز یافت چندے بمنصب معهوده قیام می نموده که ناتوان بینان روزگار بر سبیل حسد بعشق وزیر زاده متهم ساخته از خدمت ماموره باز داشتند چون بوقوع این حال سید بیچاره انفعال کشید بے اطلاع همه کس از حیدرآباد برآمده در قصبه بلند شده رخت اقامت انداخت ونهال جایگاه بجوار ایزدی پیوست

نوری اپس کے دل کے کسو سے نکھ بتہا ۔۔۔ حاصل بھلا اب اس سے دیوانے جو تھا سو تھا

شاه قلیخان شاهی تخلص از متوطن بهاگ نگر بود بدرستی طبع و رسائی فکر داد سخن سرائے میداده تے بتوسل نوکری بادشاهی در بلدهٔ حیدرآباد می گذرانیده آخر حال بمنصب ندیمی تاناشاه معزز و مباهی گشته اکثر حسب الایما بادشاه مذکور شعر مرثیه فکر میکرد چنانچه سابق بر این پنجاه سال ابیات مرثیه اش در بلاد هندوستان دست بدست گردیده اند و بالفعل خبر اند راس بگوشه خمول گوانند فرسوده و آخر یده سوائے این مطلع اشعار غزل از وے مسموع نیست

ملنا تمهن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہتے ۔۔۔ کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچ کہتے کوئی کچ

میر عبدالقادر قادر تخلص از باشندگان حیدرآباد است چشم عبرت بین و دل حسرت گزین داشت چون سن شریفش از پنجاه متجاوز گردید بردست یکے از مشائخ اندیار که نسبت نسبت بشیخ شهاب الدین سهروردی می پیوست خرقه پوشیده و تا آخر عمر بخدمت شریفش بر باضات شاقه گذرانید این رباعی از مصنفات اوست ۔

رباعی

ہر چند ہمن سب سوں اٹھایا ہے ہات اس پر پھر بھی نہ آزاد کھائے ہیہات

عالم میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا دکھن میں ہے قادر اچھوں در قید حیات

لطف علی لطفی تخلص شاعر دکھنی است و دیگر احوال او معلوم بندہ نیست کہ کیست وکجائیست ایں ایک شعر بنام او مسموع است۔

میں عشق کے گلی میں گھائل پڑا تھا تس پر جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

مہر علی رافت در کمال شوخ وظرافت پسر خطیب بادشاہی است از غایت سبکسرے وزیادگوئی معاصران خود را بطعن واستہزا می رنجانید وہیچکس را در برابر خود مقدارے نمی نہاد روزے در مجلس پدر بزرگوارش کہ بسخن فہمے ونکتہ دانی نظیر نداشت بتقریبے ذکر شعر مشکلہ بمیاں آمد چوں در استکشاف معنے آں اندکے تامل کرد بسوے او چشمکے زد وگفت جانے خطا خطیب کا وازیں جنس بسا سخنان ناصواب ازوے مسموع است بالجملہ از وطیرہ اشعارش معلوم نمی شود سخنش بجائش نرسیدہ بود او تعالیٰ رحمتش کناد

سوتے دریا میں اپس کے تین کاں لگ دھووے کہ تمہن کے وہ نباگوتس سے ہمسر ہووے

پوچھا دامانسے رقیبانکے انکھیا نکا لوہو یوں بھی ہمنا سے نبولے کہ ایامت رووے

فقیر اللہ متخلص بآزاد از متوطنان بلدہ حیدرآباد است ہنوز از صغیر سن برنیامدہ بود کہ پدرش برحمت خدا رفت اکابران محلہ نظر بریتیمش نمودہ عزیزمی داشتند چوں جواں شد سوداے زلف عنبر ینے در سرش پیچیدہ وکارش بآوارگی انجامید مکان معین نداشت خانہ بردوش می گردید چنانچہ ایں عزیز دو شعرے

فراقی تخلص کہ بندہ از احوالش کما ینبغی اطلاع ندارم در آں ایام کہ محمد یار خاں

صوبہ دار دہلی بود ہر دو باتفاق برائے دیدن وے بدار الخلافت آمدند چوں نسق کلامش بنا بر کثرت صحبت خاطر نشیں ایہا گردید متبع او گشتند چنانچہ از رویہ اشعار ایں ہر دو بزرگوار پیدا است۔ از آزاد۔

کوئی کسی ہی فن میں ہم ساتھ بر نہ آیا　　پر جسے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

از فراقی

فراقی کشتہ ہوں اُس آن کا جدم کہ وہ ظالم　　کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستیں آوے

احمد گجراتی شعر ہندی می گفت کہ عبارتے از گیت و دوہرہ باشد در علم سنسکرت و دیہاگا ید طولی داشت و در فنِ خود سر آمد روزگار بود و الحق کہ دو سہ دوہرہ از تصنیفش شنیدہ شدہ مذاق کلامش بسیار دل نشیں است چوں معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود گاہ گاہے فکر شعر در ریختہ نیز می نمود چنانچہ ایں دو سہ بیت از نتائج اوست

شب چھوٹے وعدوں پر جو تیرے ہم بہک گئے　　کوئی لاکھ بار گھر سے اوٹھے و تک تک گئے
پوچھے تھے کل ہیاں سے آپس دیکھے میں خبر　　سو آج لاکے سر سے میرے پٹک گئے
احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں　　ایک سانجھ پر گئے ہے دوجی پاؤں تھک گئے

فخری تخلص شخصے بود از شاگردان ولی بسیار بصفائی گفت چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است و دیگر احوالش معلوم بندہ نیست

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوندھ لگ رہے　　دیکھا ہے یار کتنے نظر بھر کر آفتاب

محمود ہ نیز از دکھن است گویند معاصر فخری است بلکہ با او چیزے قرابت ہم داشت بالفعل از خاطر رفتہ است۔

لوگاں کہیں ہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں ہے لیکن | جو کوئی بتاں سے بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

سراج تخلص شخصے از متوطنان اورنگ آباد است آنچہ از سلیقہ شعرش معلوم میشود بسیار بدرستی حرف میزند۔ سراج

پی بن مجھ آنسو بکے شراروں کی کیا کمی | جس رات چاند ہو نہ ستاروں کی کیا کمی
رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے | اگر دیکھے مرا سینا رفو چکر میں آجائے
نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا | طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

محقق تخلص شخصے است بندہ از احوالش خبر ندارم این ایک شعر بنام او بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیل شاعران دکھنی نوشتہ دیدہ ظن غالب است کہ داخل ہماں جرگہ باشد واللہ عالم بالصواب محقق

تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مت کرو | اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

ہاشم تخلص شاعر دکھنی است آنچہ از طرز کلامش مفہوم میشود سرے بسخن داشتہ۔ ہاشم

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سوں ہیچ اب اچھے | کہ مکھڑے چاند سے پر جنکے خط کے بیچ تاب اچھے

ہاتف تخلص شخصے در دکھن بودہ است این یک شعر بنام او در بیاض سیادت پناہ میر محمد شاہ کہ یکے از آشنایان والد فقیر مؤلف بودہ اند نوشتہ شعر مذکور این است۔ ہاتف

انکھیاں تیرے اور زلف سے کافر ہوا جہاں | اسلام اور تقوی کہاں زاہد اور مسلمانی کدھر

میرزا ابوطالب المتخلص بطالب مردے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبہ بلبنڈہ کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بہادر شاہ سابقہ آشنائے با عموے بزرگوار حضرتم مرزا رفیع صاحب بہم رساند ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشان برائے کار جاگیر خود بدار الخلافت شاہجہان آباد رسیدہ تا مدتے کہ اقامت نمود ہمخانہ ایشان بودو طالب

ببعضے ازیں احوال واشعار کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابو طالب مسطور بمرزا صاحب رسیدہ بود واز ایشان علی سبیل ذکر وند کور بفقیر معلوم گردیدہ ایں یک شعر از طالب است

ہمناکے خون چشم سے آلودہ کب کرے — وہ پک جسے گرانی ہے زنگ حنا سے

شاہ ولی اللہ ولی تخلص شاعرے است مشہور مولدش گجرات است گویند بہ نسبت فرزند شاہ وجیہ الدین گجراتی کہ از اولیائے مشاہیر است افتخار ہا داشت در سن چہل وچار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابو المعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتہ او بود بجہان آباد آمدگاہ گاہ بزبان فارسی دو سہ بیت در وصف خط وخالش می گفت چوں در آنجا بسعادت ملازمت حضرت شاہ گلشن قدس سرہ مستعد بگفتن شعر بزبان ریختہ امر فرمود وایں مطلع نغز موزوں کردہ حوالہ او نمودند۔

خوبی اعجاز حسن یار گر انشا کروں — بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

بالجملہ ہمیں تقول زبان ایشان سخن ایں بابا چناں حسن قبول یافت کہ ہر بیت دیوانش روشن تراز مطلع آفتاب گردیدہ وریختہ راقسمے بفصاحت وبلاغت می گفت کہ اکثر استادان آنوقت زراہ ہوش شعر ریختہ موزوں می نمودند چنانچہ قدوۃ السالکین وزبدۃ الفاضلین مرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنہ نیز دریں زبان غزلے گفتہ مطلع ومقطعش اینست۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں — اس حنبش بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا — پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

وچند بیت کہ فقیر موافق فہم ناقص خود از دیوان ولی مذکور منتخب ساختہ ایں است۔

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا — مفت ہے دیکھنا سریجن کا

ٹک ولی کی طرف نگاہ کرو | صبح سے منتظر ہے درشن کا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت | برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا | شاید کہ میرا حال اسے یاد نہ آیا

دیکھ احوال مرا ناصح مشفق نے ولی | ہاتھ سوں ہاتھ ملا درد سوں سینہ کوٹا

صنم کے لعل پر وقت تکلم | رگ یاقوت ہے موج تبسم

زندگی جام عیش ہے لیکن | فائدہ کیا اگر مدام نہیں

ڈالے اکھاڑ کوہ کو جوں کاہ ایوتے | عاشق کی آہ سرد کہ جسمیں صدا نہیں

خوبرو خوب کام کرتے ہیں | یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

یکبار اگر بات میری گوش کرے تو | ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے تو

صحبت غیر میں جایا نہ کرو | درد مندوں کو کڑھایا نہ کرو

دل کو ہوتی ہے سجن بیتابی | زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو

اس کے قدم کی خاک ہے صندل سر نجات | عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے | خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

دیکھتا ہوں جسے وہ مبتلا ہے | خوباں کی نگہ کیا بلا ہے

گر تجھ کو ہے عزم سیر گلشن | دروازہ آرسی کھلا ہے

ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی | میرے گھر اس طرح آتا ہے جوں سینہ میں راز آوے

جاگیر ساتھ کب دل وحشی کو کام ہے | تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

جس وقت تبسم میں وہ غنچہ دہن آوے | گلزار میں کلیوں کے دہن پر سخن آوے

عالم میں ترے ہوش کی تعریف کیا ہوں | ایسا تو نگر کام کہ مجھ پر سخن آوے

ایوے رہنے کو دنیا میں مکانِ عاشق　　کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے　　زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

جب تک نہ ملے شراب دیدار　　انکھوں سے خمار کیونکے جاوے

انجھوا نکے اگر مدد نہ ہووے　　مجہ دل سے غبار کیونکے جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو دلی کے　　نگاہِ پاک بازاں کیمیا ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے تجھکو　　کرتی ہے نگہ تجھ قدِ نازک پہ گرانی

ہم کو شفیعِ محشر دہ دیں پناہ بس ہے　　شرمندگی ہماری عذرِ گناہ بس ہے

موسوی خان فطرت و معز تخلص می کرد و جائے موسوی می آورد تازہ آمد ولایت است و احوالش داخل تذکرہ ہائے فارسی است در زمانِ سلطنت عالمگیر بادشاہ بمنصب سہ ہزاری و خدمتِ خالصہ شریفہ ممتاز بود روزے حضرت بادشاہ در اقتضائے مہمے متردد بود صورت واقع بر سبیل مشورت بردہ نوع باخان مذکور تقریر فرمودند بعد تامل بعرض اقدس رسانید کہ باعتقاد غلام حرف ثانی معقول است باستماع این کلمہ رائے حضرت بنا معقول بودن سخن اولی انتقال نمودہ روئے توجہ ازین بے گناہ گردانیدہ بطرف دیگر مشغول شدند چوں این عزیز بمغز کلام وارسید خجالت بسیار کشید بعد برخاست دیوان کہ بخانہ خود آمد بیمارے بہم رسانید اطبا بموجب امر حضور بمعالجت وے حاضر شدند پس از تشخیص معلوم شد کہ زہرہ اش آب شدہ است بالجملہ او از روز را شام نہ کرد کہ بمقر اصلی رو آورد گویند این شعر ریختہ از دست شاید بتقریبے گفتہ باشد۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے　　در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

خواجہ عطا۔ عطا تخلص از روسائے نامدار و سرگروہ ہائے اوباشانِ روزگار بود در عہد عالمگیر بادشاہ بہ بانک وضعی اشتہار داشت از غایت شہرت محتاج تعریف نیست این دو شعر ریختہ از دست۔

اے در نبرد حسن تو کیسے بچھاڑ چشم | زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچھار چشم

اشب بکوئے دوست عطا پھر بہار ہے | توبھی کہر بسر کہیں در پر کہار چشم

میر جعفر جعفر تخلص سید صحیح النسب بود چوں اساس سخنوری بر زٹل قافیہ گزاشتہ بر بنا علیہ زٹلیش می گفتند واز بسکہ کلامش در عوام شہرت تام یافت اغرہائے آں زماں بپاس آبروے خویش باوے بسلوک شائستہ پیش می آمدند گویند روزے بخدمت مرزا عبد القادر وارد شد پریشان بعد استماع نظم شرش چند اشرفی بطریق انعام مرحمت فرمودند بوقت رخصت ایں مصرع برخواند و در رفت مصرع ظہوری و عرفی بہ پیش تو پہش۔ غرضکہ از تحائف روزگار بود اکثرے از مزخرفاتش مشہور خواص و عوام است و کلام مضحکش اشتہار تمام دارد از غایت ابتزال احتیاج نوشتن نیست۔

طبقہ دوم

طبقہ دوم

در ذکر کلامِ سخنوران متوسطین بر شناسائے اسلوب سخن مخفی و محتجب نیست کہ از عہد عبد اللہ قطب شاہ گرفتہ تا زمانہ بہادر شاہ کسانے کہ شعرائے ریختہ اند نسق کلام اینہا بسیار مربوط و معقول است ہر چند کہ اگر الفاظ غیر مانوس گوش با مردم مستعمل ایشان است لیکن چوں موافق زبان دکھن است درست است پیش ہمہ کس راہ بدہ دارد و نہ

این ستم که شاعران ابتدائی زمانه محمد شاه باعتقاد خود تلاش الفاظ تازه و ایهام نموده شعر را از مرتبه بلاغت انداختند تا معنی چه رسد غرض ناگفته به مصرع خطائے بزرگاں گرفتن خطا است - بهر حال فقیر دو دادیں این اعزه فراهم آورده اشعار جسته جسته بسعی تمام موافق فهم ناقص خود بوضع انتخاب قلمی نموده حق تعالی توفیق کرامت فرماید شاه مبارک متخلص به آبرو مردے بود درویش منش قلندر مشرب متوطن گوالیار از فرزندان محمد غوث بعالم حسن پرستی اشتهار تمام داشت چنانچه مثنوی صد و پنجاه بیت در باب تعلیم آرایش خوبان روزگار بسیار سلاست موزوں کرده است بالجمله شعر ریخته بوضع خود بسیار مربوط می گفت و مشق سخن بخدمت سراج الدین علی خان آرزو میکرد که بالفعل در فضیلت و کمال فوقش متصور نیست حق تعالی سلامتش دارد و زیاده بریں از کمالات آں بزرگوار مثل من هیچمداں چه نویسد که شمار قطره آب باراں نمودن و سیاحت افلاک پیمودن است هر چند دماغ هیچ شخص بریخته وفا می کند لیکن وسعت اخلاقش تا بحدیست که شعر میاں آبرو را بنظر اصلاح ملاحظه می نموده بلکه گاه گاه بپاس خاطر او خود هم دو سه بیت ازیں قبیل می فرموده

از آرزو ست

وعدے تھے سب خلاف جو اس لب سے ہم نے سنے — یہ لعل قیمتی دکھو جھوٹا نکل گیا

میرے شوخ خراباتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو — بہار حسن کو دے آب جب اُن نے چوش کھینچا

میخانہ بیچ جا کر شیشہ تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے ہیں پارہ گل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے ٹھنڈے

دیا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے — موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

ہرگز نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا ۔ گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا
تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے ۔ غنچے نے گانٹھ باندھا سنکر سخن ہمارا

و این چند شعر از شاہ مبارک آبرو است

آیا ہے صبح نیند سے اوٹھ رسمسا ہوا ۔ جامہ گلی میں رات کا پھولوں بسا ہوا
بوسا لبوں سے دینے کہا کہہ کے پھر گیا ۔ پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤنگا اس گلی ۔ ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا
رہے ہر تیس ون مرکانچے سنکھ ۔ کلیجا آہنی ہے آرسی کا
مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے ۔ یہ روٹھ روٹھ چلنا چلبل کے پھر ٹھٹکنا
دل تو دیکھو آدم بے باک کا ۔ عشق سے بھرتا ہے پیلا خاک کا
جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہیے ۔ کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا
رہتی ہے ویسیں مصرع دلچسپ کی طرح ۔ گھر بار ہو وے سرو قداں کا برا بیت
زندگی ہے سراب کی سی طرح ۔ باؤ بندے حباب کی سی طرح
تجھ اوپر خون بے گناہوں کا ۔ چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح
عالم آب میں آسان نہیں اے شیخ گذار ۔ خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار
خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں ۔ مدتوں ستی مصور کھینچتا ہے انتظار
آج پھر ہم سے کر دیا ہے اداس ۔ ان رقیبوں کا جائے ستیاناس
سجن تیرے کے شوق میں چھوڑا ۔ رات کو پھولنے چمن کا باس
غیر صحبت میں اب لگا جانے ۔ چھوڑ کر اپنی آبرو کا پاس
یارو ڈورو کمر سے مروڑو نہ پھر کے انگ ۔ آجائے کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ
نکلے ہم آ صبا کی طرح جب چمن میں پھول ۔ گلبن سے دیکھ ہم کو گئے ہاتھ پاؤں پھول

الا یچی کیوں آپ کو مشہور کرواتے ہو تم
ماںگتے کیا ہو سجن کچھ ہم پہ ڈھرواتے ہو تم

نجر ادھر خواب سے گلشن میں جب تم نے ملی انکھیاں
گئیں موند شرم سے نرگس کی پیاری جیوں کلی انکھیاں

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

جب چمن میں جاکے پیاری تم نے زلفیں کھولیاں
لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

گلی اکیلی ہے اور یہ اندھیری راتیں ہیں
اگر ملو تو سجن سو طرح کی باتیں ہیں

اے شوخ بے تمیز تجھے کچھ ادب نہیں
معشوق گر ہوا تو خدا کا غضب نہیں

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن
جو ادر سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

سر تا قدم پیار سے دست دعا ہوا
تیرے بھولنے دیکھ خنجر آب آئینہ

کیوں ملامت اسقدر کرتے ہوئے حاصل ہے
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے

لٹک چلنا سجن کا بھوتا نہیں ابتلک مجھکو
طرح وہ پاؤں دھرنے کے مرے انکھوں میں پھرتی ہے

رستم اس مرد کی کہلاتے ہیں قسم زوروں کی
تاب لاوے جو کوئی عشق کے جھکجوروں کی

لب شیریں پہ سیر جن کے نہیں خط سیاہ
ڈار ٹوٹے ہے مٹھائی پہ شکر خوروں کی

آبرو کو نہیں کم ظرف کی صحبت کا دماغ
کس کو برداشت ہے ہر وقت کے نکتوڑوں کی

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے
کہ مرے دل میں آ کھٹکتی ہے

زلف کی شان مکھ اوپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

شخصے در تعریف این شعر لطیفہ گفتہ کہ کاش چہ خوب شعر اندھا گفتہ است

ہیں بانگ کے نشے میں ہزاروں طرح کے رنگ
سب بوٹیوں کے بیچ مرصع ہے یہ جڑی

دشمن جاں ہے تشنہ خوں ہے
شوخ ہے بانکا ہے مگر بھوں ہے

دل کے چھپنے کو یہ لپک چلنا　　سحر ہے ٹوٹکا ہے افسوں ہے
تسبیح خرتے ہیں جب مراقب ہو　　گریہ مسکین ہے موئی جوں ہے
یوں آبرو بناویں دل میں ہزار باتیں　　جب روبرو ہو تیرے گفتار بھول جاوے
دل کب آوارگی کو بھولا ہے　　خاک اگر ہو گیا بگولا ہے تو
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے　　وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے
نے نام ہے بتایا نہ گھر کا دیا پتا　　پوچھوں میں کس طرح کہ فلانے کدھر گئے
اٹھ چیت کیوں جنوں ستی خاطر نچنت کی　　آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی
جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے　　یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے
کام کرتی ہے تری دستار کاکل کا تمام　　سر تمہارے پر سجن ہر پیچ ڈھیلا پیچ ہے
زندگانی تو ہر طرح کاٹے　　مر کے پھر جیونا قیامت ہے
معشوق ہے وہی کہ وہ اپنے کہے کرے　　اور ہم کریں جو منع نہ مانے وہی کرے
تبسم سے مجھے اُس کو نظر سے　　کیا ہے دو کو راضی کس ہنر سے

مصطفی خان یکرنگ تخلص معاصر میاں آبرو است بخدمت خان آرزو مشق سخن می کرد ابیات دیوانش ہمگی و تمامی قریب پانصد شعر خواہد بود سوائے اینکہ نبیرۂ خانجہاں بودھی است و در سلک ملازمان بادشاہ منسلک بود دیگر احوالش معلوم بندہ نیست ابیاتے کہ از دیوانش فراہم آوردہ ام ایں است ۔

چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ　　کیا کرے ہائے اُسے طاقت گفتار نہیں
برگ حنا اوپر لکھوا احوال دل میرا　　شاید کبھو یہ جا کے لگے دلربا کے ہاتھ
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے　　میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو اے صیاد ہاتھ سے یہ تسکار جاتا ہے
میکدہ میں گر سراسر فعل نا معقول ہے مدرسا دیکھا تو وہاں بھی فاعل و مفعول ہے

میر سعادت علی سعادت تخلص متوطن قصبہ امروہہ از فرزندان حضرت شاہ ولایت درکمالِ خوبی آدمیت است ریختہ را تبلاش بسیار می گفت و در اقران و امثال خود امتیاز تمام داشت هنوز مشس بپہل نہ رسیدہ بود کہ بہ آزار تپ محرقہ از جہاں رفت خدائش بیامرزد ایں چند بیت از دست۔

ہوش کھوتے ہیں میرا یار وہ انکھیاں پرست بس کہ ہوں کم ظرف ہوجاتا ہوں دو پیالو میں مست
لکھا چاہے ہے تیرے قد کی تعریف الِف کو کیا تراشا ہے قلم نے
تسبیح تو جاتا ہے کیوں تسبیح کا وہاں دام لے وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے
یہ دانا ہیں دوانے جو مجھے زنجیر کرتے ہیں میرا کوئی دم میں جی نکلے ہے یہ تدبیر کرتے ہیں
ست دکھا اس طرح کی آن مجھے کوئی دم جیونے دے جان مجھے
شل آئینہ سادہ رویوں کے موہنہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

شاہ ولی اللہ اشتیاق تخلص باوجود مذاق علمی چاشنی فقر داشت در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت از داگزیدہ اوقات عزیز بیاد الٰہی بسر می برد ہر گاہ کہ از تدوین ترتیب نسخہ عقبیٰ فراغتش روے می نمود چیزے از قبیل فارسی بر سبیل تفنن فکر می کرد بندہ روزے بخدمتش حاضر شدم حرفہائے بامزہ می گفت مدت ہفت سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود۔

لوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اسکو چوٹ ہر ایک گرد بلا ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ
ڈر کر تجھکو ہمیں لوسے جب لاگ لگے نہیں مہندی یہ تیرے تلوؤں سے ہے آگ لگے

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں　　کچھ اُن کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

محمد شاکر ناجی تخلص سپاہی پیشہ بود درسطاوے کہ مصرع شعر پر از معنی آبدار و دو بیت می نہاد و بدرستی طبع و رسائی فکر دادِ سخنوری می داد و زاوگاہ او دار الخلافت شاہجہان آباد است بابرادر فقیر کہ منعم تخلص می کرد و شعر فارسی بسیار بتلاش ہائے نیکو می گفت رابطہ اتحاد مربوط داشت گاہ گاہ بتقریب خانہ تشریف می آورد و بندہ خود در خورد سالے اورا دو سہ بار دیدہ ام مزاجش خیلے مائل مزاح بود او تعالی رحمتش کناد

ہوا بازار گل کا دیکھ تجھ رخسار کو مندا　　جو دیکھے تجھ قدِ آزاد کو طوبیٰ تو ہو بندا

نپوچھو خود بخود ہے عارض خورشید کی خوبی　　لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہ رویاں سے کر چندا

بلند آواز ہے گھڑیال کہتی ہے کہ اے غافل　　گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا

مجھ دلکو اپنی زلف میں دے جا سمجھ کے یار　　نکلے گا پھر نہ دیر میں پٹوں دہا ہوا

یہ داؤ کھا بدے کا لگتا ہے لالچی سا　　حجاموں سے مل مل الکل رہا ہے کیسا

مجھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا　　لے گیا جب دل کتیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوب کیئے گئے ملک جب کھولے لب دریا پہ زلف　　حیف ناجی کو نپوچھا کس لہر میں بہ گیا

دہن جب لال ہو پانوں سے پی کا　　خدا حافظ ہے تب غنچے کے جی کا

ترے رخسار کے پرتو سے اے شیخ　　پری خانہ ہوا گھر آرسی کا

اس مغل زادے کے کہو بابا سے رکھ اسکو عزیز　　مول ہے سارے بدخشاں کا یہ بیٹا لعل سا

بہا سستا ہو یا مہنگا نہیں موقوف غلے پر　　یہ سب خرمن اسی کے ہیں خدا ہو جس کے پلے پر

شربت اتکل کر نہ زاہد آتشیں لب سے کے چوس　　شرم کر داڑھی کی کیوں شعلہ کنے لیجا پھوس

رنگ میں ہیگا قرار اور نپٹ ملنے میں گرم　　اس طرح کا سانورا کیا ہے جوں اصل طوس

دیکھ سوہن تری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

چاند تیرے روبرو خوبی کا کیوں مارے ہی لاف
وہ تو داغی ہے ترا جوں مہر رخسار ہے صاف

امردی ساری تم اپنی کرچکے مکتب ہیں صرف
اب تو خط نکلا ملو گے کیوں نہ اسمیں کیا ہے حرف

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

لیجاوے شہر شہر پھرا وِبھی دشت دشت
کرتا ہے آدمی کو نہایت خراب دل

پیالا پیوے ہے سو نہوروں سے
کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں
یہ دن بہار کے اے جان یونہی جاتے ہیں

نہیں تو بوسہ ندینے کہا نہ کہہ کے دیا
جنہوں نے وعدہ کیا تھا نہیں جتاتے ہیں

نت کرتا ناجو اس پہ جان آخر دل ہے یہ
ٹک پھڑک لینے دے اسکو چھیڑ مت بسمل ہے یہ

چراغ و شمع کی پروا نرکھ یہ تجھکو بالا ہے
نظر کر دل کی آنکھوں سے اندھیرا بھی اجالا ہے

سمجھے تھے سبھی بنت العنب کو باکرہ یارو
سنو یہ بات بدمستی میں ایکدن ہم سے پھوٹی ہے

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

میرے دلکو تو زخمی کرچکے تم
اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہے

تبسم نت رقیبوں سے خلل ہے
ترے بھاویں ہنسی میری اجل ہے

کیا فردا کا وعدہ سرو قدنے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

جان ہے جوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جانبخش آگے تیرے سجن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

ہے سخن اعظم کی بات ایدل تو اپنی دہن میں رکھا ہے
خدا حافظ ترا دوزخ بھی ایک شرعی ڈر کا ہے

شعر خوبے است اما آن سر کفر افتادہ است ہرچند شطحیات شعرا پیش ازاں است

که گفته شود لیکن با وجود شرف اسلام اینها بسیار بعید می نهاد او سبحانه تعالی برحمت جود

کار کند و بگفتار و کردار ما نرو واز ناجی است

دوبالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے ‏ ‏ پیالہ اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے

تجکو کیونکر جدا کروں اے جاں ‏ ‏ زندگانی بہت پیاری ہے

نرگس کے تئیں ہیں ہرگز لاتا نہیں نظر میں ‏ ‏ دیکھی ہیں جنے آخر پیارے تمہاری آنکھیں

سخن سن اس بت کافر ادا کا ‏ ‏ جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

شرف الدین مضمون تخلص از فرزندان حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ سرہ

بجمیع صفات موصوف و ہمہ حسنات معروف بود مولدش جائے است در نواح گوالیار

که اورا جاجیومی گویند چوں سن شریفش از پہل متجاوز گردید دست از قید علائق برداشت

و قدم در راہ آزادگی گذاشت لب دریا مسجدیست مسمی بزینت المساجد اورا

مسکن خود قرار دادہ بتوکل میگذرانید بسکہ ملین و خوش صحبت بود اکثر از مردم اتجبا

آخر روز بطریق سیر در حلقہ مجلس وارد می شدند چنانچہ سعدی گوید

ہر کجا چشمہ بود شیریں ‏ ‏ مردم و مور و مرغ گرد آیند

بوقت موعودہ سر در پردہ اختفا کشید و بعالم قدس مساس گردید خدایش بیامرزد

شعر ریختہ را بتلاش الفاظ و معنی تازہ میگفت ایں چند بیت از دست

ہوئے ہیں ہر قطرہ ستی اپس آنسو ڈھلک دریا ‏ ‏ کہیں کیونکر نہ چشموں کو میرے مردم پلک دریا

اگرچہ نہیں نوح کا طوفاں میری آنکھوں سے ہم چشمے ‏ ‏ گیا وہ خشک ہو کب کا یہ ہیں اب تلک دریا

افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دلکو اڑکا ‏ ‏ کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا

چھپ کر مخالفوں سے آ اس طرح پلنگ پر ‏ ‏ کوئی سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا

آہ تو کار سہ اسے مثل تنور مضموں   یک قرص ناں کے خاطر تو کیوں پھرے ہے بھٹکا

کلی کھلتی ہے وہاں اُسکی جہاں خندہ دنکا ہے ریلا   ہوا معلوم مجھکو یہ کہ اب یہ طفل کھل کھیلا

بند شیشے میں کیا ہے تو بھی پھڑکاتی ہے آنک   دختر رز کی نہیں جاتی ہے لرزتا تاک جھا تک

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں گر ہا ور ہے ہنس   مصحف رخسار پر پیارے رکھا تو ہمسے ہاتھ

چلا آگے سے جب کشتی میں وہ محبوب جاتا ہے   کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی اُلٹ دب جاتا ہے

ہمارا اشک قاصد کیطرح یکدم نہیں تھمتا   کسی بیتاب کا شاید لیئے مکتوب جاتا ہے

ہم فقیروں میں تمہارا اے میاں کیا کام ہے   تم تو طالب زر کے ہو اور یہاں خدا کا نام ہے

نہ یہی فتنہ قد و قامت ہے   ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

کرتا تھا نقش روئے زمیں پر نہیں مراد   قالی اگر نہیں تو نہیں بوریا تو ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند   ہو گیا دیکھ آرسی کتیں دو چند

خط اُس کے آگیا ہے میری ہی سفید ریش   ملنے کو اب نہیں وہ بتاتا ہے شام و صبح

احسن اللہ معاصر میاں مضمون و آبرو بود دبرد یہ شعر اینہا تلاش لفظ تازہ و ایہام میکرد اما از غایت ہجوم الفاظ معنی شعرش کمتر بنظر می آید ابیاتے کہ بعد غربال کردن دیوانش برآوردہ ام اینست

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف   ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہوں اسلام

نہیں مضمون خط احسن اللہ   کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

شرف الدین علی پیام تخلص مرد عزیز الوجود بودہ است اصلش از خاک اکبر آباد است شعر فارسی بکمال شستگی می گفت نظم ہائے رنگین و نثر ہائے متین دارد احوالش من و عن داخل تذکرۂ خان آرزو است و این دو سہ شعر ریختہ نیز از وست

بات منصور کی فضولی ہے — ورنہ عاشق گو آہ سولی ہے
دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

میر ناصر ساماں تخلص می کرد و باکمال بے سر و سامانے می زیست وطن او جونپور است در ابتدائے سلطنت محمد شاہ بدار الخلافہ اقامت داشت و اکثر بخدمت خان آرزو ملاقات می نمود و دیگر احوالش معلوم فقیر نیست ایں مطلع و حسن مطلع از و ست

اٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھوکے — کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس بھانت جلتے ہیں ہمیں دیکھ — گویا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

بینوا تخلص شاعرے بود گمنام از ساکنان قصبہ سیام شوخ چشم ظریف طبع گاہ گاہ بطریق لطیفہ شعر بدیہہ می گفت و در اوائل سلطنت محمد شاہ بدار الخلافت رسید و از ہر یکے کہ دراں عرصہ بعرصہ بود ملاقی گردید روزے در مجلس مشاعرہ وارد شد میاں شاہ مبارک آبرو کہ احوالش گذشت بدو التفاتے نہ کرد بعد دیرے کہ چار شد گفت کہ میاں آبرو صاحب شما از احوال مخلصاں ایں ہمہ تغافل می کنید کہ گویا جائے بیں چشم نہ شدہ اند چوں ایشاں یک چشم داشتہ ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد و ہر یکے حضار خندہ بسیارے کرد غرض کہ از تحائف روزگار بود خدا یشش بیامرزد از وست

بینوا ہوں زکوٰۃ حسن کی دے — او میاں مالدار کی صورت

محمد اسمعیل بیتاب تخلص می کرد شاگرد میاں یکرنگ بود گاہ گاہ فکر شعر می کرد ہنوز از مرتبہ موزونیت زیادہ بود کہ برحمت خدا رفت۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل | تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں | پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

محمد محسن، فدوی تخلص از نجیب زادہ ہائے دہلی است با میاں مضمون و آبرو صحبتہا داشتہ است در علم موسیقی مہارتے تمام دارد و ستار را بربط نیکو می نواز د وانچہ معلوم است از اکتساب اشعار و ابیات خویش متنفر است با فقیر آشنا است۔

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ نہیں سکتا سجن | دیکھ تو عاشق نے تیرے واسطے کیا کیا تجا

محمد حاتم، حاتم تخلص ہمصحبت میاں مضمون و آبرو است اصل و منشاوی شاہجہاں آباد است در روزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ منصب ندیمی و خدمت بکاولی نواب عمدۃ الملک مغفور پایہ امتیاز داشت بعد فوت او توکل روزگار نمود باکمال آزادگی می گزارند کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گذشتہ شعر خوب جستہ جستہ می بر آید حق تعالی سلامتش دارد

دلوں کے راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو | کہ چند روز سے موقوف ہے پیام سلام
مت عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو | عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

شہاب الدین ثاقب تخلص متوطن سیوہارا است مشق سخن بخدمت میاں آبروی کرد سابق برین چہار سال اتفاق دیدنش افتادہ الحال مفقود الخبر است شاید بوطن خود رفتہ باشد۔

ثاقب کی لاش اوپر قاتل نے آ کے پوچھا | یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

میر لچھمن، پاکباز تخلص خلف الرشید میاں شاہ کمال است پدر بزرگوارش شیخ

تمام دارد و روز جمعه مجلس سماع بخانه اش مقرر است اکثر قوالان شهر در انجا می آیند
و دیگر مردم بتقریب سماعت نیز حاضر می شوند نیکو ادائے ہائے تواجد شیخ مشهور است
بنده در میانِ مجلس بخدمت میاں پاکباز ملاقات کرده ام گویند در مبادی حال
فکر شعر می کرد و از مصطفی خاں یکرنگ اصلاح می گرفت این یک شعر بنام او شهرت دارد

مجھے رہتے ہیں نت درد و الم گھیرے میاں صاحب | خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

ندیم

مراد علی قلی، ندیم تخلص مولدش شاہجہان آباد است در فرقه کدر بخطاب خانی
سرفراز بود از سابق ازیں چند سال اکثر مرثیه حضرت ابی عبدالله الحسین علیه الصلوٰة والسلام
بقوت تام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوافی طبع آزمائیها می کرد
چنانچه شهرت ابیاتش گواه عدل این دعوی است بالفعل که طور گفتن مرثیه بے ادبانه
دلنشین مردم است دست ازیں کار برداشته بگفتن شعر ریخته مشغول است حق تعالی
سلامتش دارد۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں | بجائے مو بدن سے شعلہ آتش نکلتے ہیں
بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال | مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

جعفر علیخان، عمده و عمده زاده مقرر رئیست بطلاقت لسان و عذوبت بیان نظیر
ندارد گاه گاه یکدو مصرع ریخته فارسی موزوں می کند بنده بخانه نواب نعمت الله خان
قراول بیگی بادشاہے بخدمتش ملاقات کرده ام انواع شعر را بروجه اتم می فهمد

نہ ہو کھوجی ہمارے آنسوؤں کے منزل و رہ کے | خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جائیں ہیں بہ کے

بہار

ٹیک چند قوم او زرگر بود بہار تخلص می کرد علم منطق و معانی مع دیگر علوم بدرستی ورزیده
علی الخصوص در تحقیق لغت دست دانی داشت چنانچه دریں باب خودش کتابے

تصنیف کردہ کہ نامش بخاطر نیست واز ین قبیل چند تصانیف دیگر دارد وقتے کہ خان آرزو سراج اللغتہ تصنیف می کردند بعضے غلطی ہا برآورد ایشان از غایت انصاف کہ خاصہ کمال است وغلطہاے وے خان برداشتند اکثر شعر فارسی می گفت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ نیز موزوں نمودہ۔

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں	کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے ڈرگوں سے	معاصی گو ہمارے بیش ہیں کچھ مغفرت کم ہے
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں	مجھے ایسا خراباتی کیا تجھ کو مناجاتے

خواجہ برہان الدین عاصمی تخلص از نبائر خواجہ احرار در کمال دانائی وہشیار خرامی وبذلہ گوئی ونادر کلامی مستثناے روزگار بود در عالم جواہر شناسی بصارت تمام داشت مولدش شاہجہان آباد است در محلہ بہار پورہ کہ واقعہ شہر نو است با اعزاز وامتیاز بسر می برد اکثر فکر شعر مرثیہ می کرد وگاہ بپاس خاطر احبا دو سہ بیت غزل نیز موزوں می نمود سابق بریں دو سال از جہاں رفت با فقیر جوششہا داشت خدایش بیامرزد واز دست۔

چمن کے تخت پر جسدن شہ گل کا تجمل تھا	ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو جا دیکھا نتھا جز خار گلشن میں	بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

محمد علی حشمت تخلص از مردم کشمیر بود حیا وحمیت وآدمیت خلاف کلیہ وطن داشت سابق بریں دو سال برفاقت قطب الدین علی خاں کہ آوازہ سخاوت وشجاعت وے در اطراف واکناف عالم شہرتے عظیم دارد ومعہذا بشرح وبسط آں تنگ حوصلگی ہاے ایں اوراق برمی تابد بسمت چکلہ مرادآباد رفتہ بود چوں درانجا با فوج علی محمد روہیلہ

بارے جنگ بمیاں آمدہا آنجا مع خاں مذکور بجرأت تمام کشتہ شد خدایش مغفرت کناد

خطنے تراحسن سب اڑا یا | یہ سبز قدم کہاں سے آیا

حکیم یار علی خاں متخلص بشفا جوانیست مستعد کم و بیش از ہمہ جا آشنا علی الخصوص در فن طبابت دست خوبی داشت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ و فارسی نیز می گوید بہر حال مرد خوبے است ہر جا کہ ملاقات می نماید بسیار بروے کرم پیش می آید خدایش زندہ دارد از وست

جوں ڈانگ کے دینے سے دونا کھلے ہے یاقوت | چمکا ہے رنگ پان سے جوہر ترے لبا کا

محتشم علی خاں حشمت تخلص می کرد اصلش از شاہجہاں آباد است پدر بزرگوارش میر باقی نام از مردمانِ مشاہیر بود گاہ گاہ دو سہ شعر ریختہ و فارسی با کمال تازگی می گفت و در سلک ہر مصرعش گوہر معنی نایاب می سفت قبل ازیں ہفت سال بمرگ دفعتہ از جہاں رفت او تعالی رحمتش کناد از وست

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ | پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانے کی خبر تو | اگر زنجیر کرنا ہے تو کر تو

راجہ نندرام مخلص تخلص قوم کھتری وکیل اعتماد الدولہ مغفور بود باوجود ہر صحبت و کثرتِ جواب و سوال دو در بار صبح و شام شعر فارسی بدرستی تمام می گفت بخدمت خان آرزو ہنگامہ موافقی گرم داشت مشورۂ سخن نیز بخدمت ایشاں می کرد چوں رواج فن ریختہ بسیار دید خودش سہ چار بیت ازیں قبل موزوں کرد چنانچہ ایں شعر از وست۔

دھوم آوٹی کی کے کس کی گلزار میں پڑی ہے | ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

نادر تخلص نوجوانے بود نادرہ گوئی شعر بہ ندرت میگفت و اکثر از خطوط خوب می نوشت ظاہراور سلک رسالہ آحدیاں بادشاہے سرفرازی داشت قبل ازیں دو سال در کوٹلہ فیروز شاہ کہ قدیم مسکن وے بود مسلول شدہ انتقال نمود۔

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ / ہر گرہ میں دل ہے اس کے گانٹھ کی پوری ہے یہ
دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کے دور نہیں / دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں
لپٹے ہی جا ہے چہرے سے خورشید رو کی زلف / اتنی بڑی ہوئی پہ ذرا بھی شعور نہیں

میر سجاد جوانیست مستعد متوطن شاہجہان آباد بصفات حمیدہ موصوف و اخلاق پسندیدہ معروف صنائع لفظی را تبلاشہائے معین مقارن معنی نشاندہ و معنی را بوساطت الفاظ رنگین باوج سربلندی رساندہ۔

شعر گر وصف چشم میں وہ کہے / رہے معنی میں اس کے یوں ایہام
گر تو باور کہ جس طرح دو مغز / ہوئیں توام میاں یک بادام

ابیات دیوانش قریب ہفصد شعر در نظر در آمدہ شعر بیحاصل کمتر بر می آید

کافر بتوں سے داد نچا ہو کہ یہاں کوئی / مر جائے گر ستم سے تو کہتے ہیں حق ہوا
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ / لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھر
تھکی ہیں بسکہ تیرے راہ دیکھ دیکھ کے چشم / مژہ سے ان کے مژہ تک ہوئے ہیں کا کوس
رہا تو زلف میں جا دل پہ ڈر ہے آنکھوں کا / بسے ہیں خونی و خونخوار خانہ جنگ پڑوس
کس طرح کوہکن پہ گزریں گی / ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف / روز سیاہ نالہ شبگیر ہے یہ زلف
اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو / نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

شب ہجر میں میرے جلنے کی قدر
نہیں پوچھے شمع اسکو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل نہیں اس مژہ کے لائق
اس آبلے کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو

عشق گردش نیا آسمانی ہے
یہ بلا کوئی ناگہانی ہے

رات اور زلف کا یہ افسانہ
قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

سرخی لب ہر آن میں کچھ ہے
یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے

اس زمانے کی دوستی کا رنگ
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

نہیں پہنچتی ہے جب تیں اس آشیاں تلک
تب تک ہماری خاک کی ماٹی خراب ہے

یار کا جامہ ہمیں ہیگا عزیز
یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

دل کی جمعیت نہ کھو لب کھول کر
ہوتی ہے غنچہ پریشاں بول کر

بند میں مت ہو دوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

فضل علی دانا تخلص مولدوے شاہجہاں آباد است انجاکہ رتبہ و حالت اوست شاعری دوں مرتبہ است بخدمت مولوی برہان الدین کہ از مشائخ کبار ایں زماں است بسبب ارادت درست بکمال آزادی و آزادوضعی میگذارند ہر چند بظاہر در ذیل خاصان بادشاہے پابند علاقہ روزگار است لیکن درحقیقت از ہمہ چیز دست بردار گویند روزے درلشکر نزدیک سراچہ خاص ہمراہ آشنایان دربار نشستہ چیزے میخوردند درین اثنا حضرت ظل سبحانی با دو سہ خواجہ سرا از سوئے خیمہ برآمدند دیگراں دست و پاگم کردہ از سر طعام برخاستند مگر ایں بابا کہ از جائے خود حرکت نہ کرد حضرت کہ چنیں ملاحظہ کردند باز داخل سراچہ شدند روز دوم کہ ایں عزیز باریاب مجرا گردید باشارہ فرمودند کہ پیش بیا چوں نزدیک رفت

ارشاد شد کہ اے شکم پرور دیروز ما بدولت و اقبال برآمدیم و تو از سر طعام
برنخواستی عرض نمود کہ فی الواقع تقصیر دارم لیکن در آنوقت مشغول تعظیم شخصے
بودم کہ تعظیم وے بنعمت وابستہ اوست و این کلمہ را قسمے بر زبان راند کہ بر دلہا
موثر افتاد و حضرت از غایتِ انصاف بر استقامت وے آفریں ہا خواندند و تکلیف
نوکری او را معاف

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا
یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا

مقابل بیٹھ کر میرے مجھے باتوں ہی میں بہلا
میرا دل لیگیا حجام کا پسر کتیں سہلا

ترے چہرے کی گرمی سے ہوئیں بیاریوں انکھیاں
کہ جوں خورشید کی تابش سیتی جاتیں ہرن کہلا

سلیمان نام نوجوانیست کہ در حسن و جمال عدیم المثال است و دلش فریفتہ او بود چنانچہ
دریں شعر نام او آورده از دانا ست۔

اے سلیماں باخبر ہو ملک خوبی کو سنبھال
خط کا پہنچا حسن سے گرڈنے کو تیرے مور چال

سادہ لوحی میں جو کچھ کہتا تھا تو سنتے تھے ہم
ابتو خط نکلا ترے اے شوخ اپنا منہ سنبھال

نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اوسکے فاقہ ہے
رگ گردن سے میری اوسکے خنجر کو علاقہ ہے

تجھ انتظار میں پیارے مثالِ آئینہ
تمام عمر پلک سے میری پلک نہ لگی

نہیں مٹنے کے کیوں رگڑے ہیں سر سجدے میں اے زاہد
لگی جو بات ماتھے پر مقرر وہ تو پیش آنی

جب گفتگو میں تم نے غنچہ سے منہ کو کھولا
جھڑتے ہیں پھول گویا کیا بات ہے تمہاری

قزلباش خان، امید تخلص مغل ولایت از نجبائے ایران زمیں است تمام عمر
در عیاشی و عاشق پیشگی بسر برد و در سنہ احد شہید مرحوم بنا بر تفرقہ ایران بممالک
ہندوستان افتاد و خوش طلعتاں ایں جا نہ گزاشتند کہ باز بوطن خود رود و ہمیشہ مصروف

گپ زدن و لطیفہ گفتن بانہا بود علی الخصوص نور بائے را از خوبان جہان بسیار دوست
می داشت چنانچہ روزے بائے مذکور بخانہ اش مہمان بود اتفاقاً ہنگام اختلاط مذکور
طبابت درمیان آمد گفت خان صاحب دے روز بنا بر بخار چشم پیش حکیم رفتہ بودم
فصد تجویز کردہ است صاحب دریں امر چہ می فرمایند تبسم شدہ جواب داد حکیم ہیچ
می گوید اگر از من می پرسید برائے شما حجامت بسیار مناسب است چوں برائے دفع
آشوب چشم محجمہ گذاشتن معمول اطبا است این لطیفہ بغایت موقع افتاد غرض
زندگی دو روزہ بخلاف اہل دانش بنوعی بسر برد کہ رشک عمر نوح میتوان گفت
او تعالی رحمتش کناد

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے — در و دیوار سے اب صحبت ہے
ٹال دیتا ہے ہنسکے باتوں میں — رو کے کہتا ہوں جب میں اپنا حال

زمان اسد یار خان المتخلص بانسان ساختہ پرداختہ نواب امیر خان در کمال فطرت و
فطانت و غایت تمکین و متانت شہرہ آفاق بود چوں نواب مسطور بصوبہ داری
الہ آباد تشریف فرمود این بابار الصلح بعضے امور در حضور پر نور مقرر نمود از انجا
کہ مصاحب درست واقع شدہ بود در عرصہ چند روز بدل بادشاہ غفران پناہ جا گرفتہ
مخاطب بخطاب اسد الدولہ بہادر کرد ہر چند بنا بر کثرت اشتغال امور ملکی دماغ شعر
شاعری نداشت مطلع از وست.

جہاں کے بیچ اپنے آن میں ہر ایک پکا ہے — نظر کر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

انجام نواب امیر خان تخلص دے انجام است از نبائر شاہ نعمت اللہ ولی بود عیالش در
ہندوستان بشرف امارت وزارت در ہمچشمان خود اعزاز و احترام داشتند خود شہ

در زمان سلطنت محمد شاہ بادشاہ بمنصب ہفت ہزاری وخدمات متعددہ سرافرازی داشت پیش آمدش درحضور اقدس اعلیٰ موجب حسد وغبطہ معاصرانش بود چنانچہ بعد انقضائے ہنگامۂ نادر گردے بسبب رنجش نواب آصف جاہ بصوبہ داری الہ آباد رفت وبعد از چندے کہ حضرت ظل سبحانی فرمان طلب برائے او فرستادند در جواب آن عرضے کرد ومطلع ریختہ کہ بعد ازین مرقوم خواہد شد ہماں وقت موزوں نمودہ در عبارت آن مندرج ساخت آخر الامر بنوشتۂ وزیر مرحوم اعتماد الدولہ بہادر بحضور آمدہ سال تمام بر آن نکشید کہ قضا برگ پان بصورت جمدہر فولاد ساختہ بدست غلام تمکلہام از عین جائے دروازہ قلعہ بادشاہے برائے رخصت روح او فرستاد حق تعالیٰ رحمتش کناد از وست۔

اب یہی احسان ہے تیرا جو ہوں آزاد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا منہ لیکے اے صیاد ہم

مرزا گرامی خلف عبد الغنی بیگ قبول از مردم کاشمیر است شعر فارسی بوضع خود بسیار مرتبہ می گفت چنانچہ احوالش سن وعن داخل تذکرہ ہائے فارسی است واز انجا کہ چیزہائے چند از قبیل شعبدہ ونیرنکات بدست آوردہ عالمے را بآب میراند وبطور ملاحدہ وضندقہ باکمال بے معنی وبے باکی می زیست ہموارہ مطعون زمان ارباب تحقیق می بود در آخر سلطنت حضرت فردوس آرامگاہ حرف وجودش کزلک فنا از صفحۂ روزگار برداشت گویند ایں شعر ریختہ از دست۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا
بیگمی ہے پنیر شسم کا

کمترین از قوم افاغنہ از قبیلہ ترین بود وبہ ہمیں نسبت کمترین تخلص منمود در عالم ہزل گوئی وہجو پردازی نظیر خود نداشت چنانچہ ہفصد شعر در مذمت اہل حرفہ برسبیل شہر آشوب از وے یادگار است مدت العمر در دار الخلافہ بسر بُرد آخر حال در سرکار وزیر الممالک نواب

غازی الدین خاں بموجب درخور میگذرانید ورہمیں سال ازجہاں رفت

اگر بھانڈوں سے عقدے نہیں ملتے ہیں واتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

پلا کر مست نفرانے کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کی جا پچھاڑی

طبقہ سوم

دربیان اشعار و احوال شعرائے متاخرین بر متتبعان فن ریختہ مخفی و محتجب نماند آنچہ السحال اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشتہ می آید طرز کلام اینہا ما نا بر وتیرۂ فارسی است چنانچہ جمیع صنائع شعرے کہ قرار دادہ اساتذہ اسلاف است بکار می برند و اکثرے از ترکیبات فرس کہ موافق محاورہ اردوے معلی مانوس گوش می یابند منجملہ جوازالاً بیان می دانند الا ترجمان زبان مغل بریختہ کردن مقبوح است چہ دریں صورت صحت زبان یکے از ہر دو نمی ماند و اگر بعضے از اصطلاح کہ زبان زد ہر وم فصحائے ایں دیار بود کردہ آید چنداں مضائقہ ندارد اما اتباع و تقلید کساں طبقہ اولی کہ یک مصرع شان ریختہ و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریختہ فارسی با لفاظ غیر مانوس مخلوط ہم ساختہ مذموم محض می انگارند بہر حال ایں منتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقہ شاعر باید نمود بیش ازیں بر صداع سامعان نباید افزود اگر در خانہ کس است اشارتے بس است گوہر یکتائی سیادت لعل بے بہائے کان نجابت علت غائے وجود سخن ملہم معنی آسمان مسکن افضل الفضلا افصح الفصحا میر شمس الدین فقیر سلمہ اللہ تعالی مردے از خاندان بزرگ در نہایت فضل و کمال است پسر نواب سعادت خاں امیر الامرائے عہد میرزا احمد کہ عبارت از سیف الدولہ بہادر است مشق سخن بخدمت آں سید جلیل القدر

می نمود چون مستغنی المزاج بود یافت نقدی مبلغ دو صد و بست روپیہ بے تکلیف نوکری بفرقہ احدیان بسماحیت تمام بنام او مقرر ساختہ ہر چند لائقش نبود لیکن برائے احتیاجات ضروری کہ انسان را ازو گریز نیست طوعاً و کرہاً قبول نمودہ غرض در فن شعر فارسی فکر رسائے دارد و بنا بر تفنن طبیعت دو سہ بیت از قبیل ریختہ می فرماید

ترا منہ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جائے — اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جائے

زندگی موج آب ہے گویا — دم کا آنا حباب ہے گویا

خال تیری بیاض گردن پر — نقطۂ انتخاب ہے گویا

مرہم گزار سینہ ریش یعنی بادشاہ و بصورت درویش معنی آگاہ عارف باللہ حضرت میرزا جانجاناں مظہر سلمہ اللہ تعالی عالم و عامل عارف و کامل سرآمد ارباب تحقیق و پیش رو اہل تدقیق است در ظاہر و باطن مرتبہ رفیع و شانے عظیم دارد و در اوائل جوانی کہ مقتضائے آن ظاہر است بشعر و شاعری مشغول بود آخر حال خود را ازاں اندیشہ باز داشتہ بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت می گذارند و ہمیشہ ہمتش مصروف تکمیل اہل ارادت می باشد ایں چند بیت ریختہ وغیرہ تلامذہ ایں فن برائے تعلیم انعام اللہ خاں یقین موزوں کردہ از دست

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے — کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

نہ آوے بالش مخمل اوپر خواب — یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے

ہمنے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار — ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور — کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

قاتل کو دیکھ بھیڑ گلی کی سمٹ گئی | راہ چھاتیوں کی کواڑوں کی پٹ گئی
اور ہر نگہہ کی تیغ ادھر آہ کی سناں | اس کشمکش میں عمر ہماری بھی کٹ گئی

چلے ہم گل کے ہاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا | پچھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی | مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا
کوئی آزاد کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم | یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجاں اپنا

گر گل کو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں | بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

ٹھکے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن | نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑہ پان کو

آتش کہو شرارہ کہو کوئیلا کہو۔ | مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر | سورج کے ہاتھ چوری پنکھا صبا کے ہاتھ
مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو | یہ شیشہ بچتا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

عندلیب خوش نغمہ گلشن روزگار گل سر سبد محافل اشعار یگانہ کشور افضل نقادہ دودمان کمال انتخاب نسخہ صاحب کمالی حضرت میرزا رفیع سودا مدظلہ العالی دریچہ نزہتگاہ معنی بروے وے کشادہ است کہ دو مصرع کلک معجز طرازش شہرت را آمادہ اشعار رنگین و قصاید متین دارد چنانچہ قصیدہ کرہ دو پیکر زرینہ بہار و بحر بیکراں و تضحیک روزگار وغیرہ از تصانیف اوست والد شریفش میرزا شفیع نام مغل زاد بعمل تجارت مشہور بود بوقت معہودہ بقدس برین شتافت زرے از ترکہ وے بدست میرزا افتاد در مدت قلیل بمقتضاے شاعر مزاجی بر سبیل باد دستیہا بباد داد بمصاحب بیشگی بر آمد قبول ملوک نامدار و تقرب سلاطین عالی مقدار او را میسر گشت بالفعل بخطاب ملک الشعرائے کہ مہین پایۂ سخنوران است

اعزاز و امتیاز و دار د الہی سایۂ اش از سر بے سر و پایاں کم مباد مجنون و فرہاد

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا / کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

بلبلیں کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا / گویا ہے یہ چراغ غریبوں کے گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا / پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے / دل خاک ہو گیا ہے کسی بیقرار کا

کیونکہ وہ شوخ کتابت لکھے مجھ کو جنے / کھیل ہے ضد سے میری چھوڑ دیا پاجی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے / کہ جنے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نجائیگا / جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائیگا

رخصت ہے باغباں کہ ٹک دیکھ لیں چمن / جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نجائیگا

ظالم نہ میں کہا تھا کہ اس خوں سے درگذر / سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا

داماں و داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا / عالم کے دل سے داغ دھلایا نجائیگا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن / بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز / اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہو سکا

نواحی میں تیرے کوچے کی ہے یہ حال سودا / کہ جوں چند آشیاں گم کرکے بستی میں پھرے بھٹکا

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا / سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں سے / شاید اب دل کا آبلہ پھوٹا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا / لذت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا

تصویر میری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی / انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رویا

سودا سے کہا میں نے دل میں بھی کچھ کو دوں / وہ کرکے بیاں اپنا روداد بہت رویا

ساقی ہماری تو یہ تجھ پر ہے کیوں گوارا — منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا

تیرا دل مجھ سے نہیں ملتا میرا دل رہ نہیں سکتا — غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

بھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا
الٰہی ان نے داڑھی کے سوا کس چیز کو چھوڑا

طپش کی اندنوں دل نے نئی صورت نکالی ہے
لپکتا ہے پڑا زانوں کو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی اندنوں — تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن — نے سیر و باغ نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب — تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گذر — لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اسمیں بھی پائے تو پھر شغل — پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھکو غیر پاس — پر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

جو گذری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا — بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریبان گیر — مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ہیں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا — سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالے

جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لالا — غنچے نے صراحی لی اٹھا گل نے پیالا

کہتا ہے نگہ سے یہ تیرا گوشۂ ابرو — دیکھے جو کوئی خون گرفتہ تو نکالا

فتنہ ہی اٹھاتے ہو گئی پشت فلک خم — ہرگز کسی گرتے کو نہ ظالم نے سنبھالا

برہم کرے جمعیت کونین کو پل میں — لٹکا وہ تیری زلف پریشان میں دیکھا

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ — کیا جانئے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

دیکھا ہے تجھکو در پہ ترے جنے ایکبار — پھر جب تلک جیا پس دیوار ہی رہا

ٹک جاگ گئے تو چھوڑ کے غافل پلنگ خواب — آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ خواب

بیداری مسجدوں کی خوشا حال زاہدا — اک ہم ہیں روسیہ کہ خرابات و بنگ و خواب

آہ کس سرو میں قمری ہے قد یار کیطرح — نالہ کرتی ہے تو میرے دل افگار کیطرح

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور — رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا نسیم یا نگہ یا وعدہ یا گل ہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھائے کیطرح

یہ زندگی میری وحشت کا ننگ ہے صیاد — قفس مجھے ترے جنگل سے تنگ ہے صیاد

ہوا ہے حال میرا اسکو باعث تضحیک — کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ہاں فریاد

خرمی پھرتی ہے یوں اس دل پر غمسے دور — جوں پھریں اہل طربخانہ ماتم سے دور

عقل نے ایکدن آکر یہ کہا سودا سے — خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے — جس کا ثمرا رکھے تم کو دل عالم سے دور

دیوے تھا غیر کو زکوۃ حسن — میں کہا کیا ہے کہنے لاگا خیر

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز — میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

سودا یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس — تھا ہی دلوں پہ داغ غم کوہ کن ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

فقیر اشعار حضرت مرزا صاحب تا کجا انتخاب نماید کہ تمام دیوان منتخب است لہذا قلم درکشید نور چراغ کعبہ و بتخانہ، دود سوز دل پروانہ، تختہ ساز زخم گل داد رس نالہ بلبل حقایق و معارف آگاہ خواجہ میر متخلص بدرد سلمہ اللہ تعالی مردے است عزیز و عزیزے است سراپا

تمیز کامل بجمیع کمال نمونہ قدرت ذوالجلال دلش گنجینۂ اسرار الٰہی وسینہ اش خزینہ انوار
نامتناہی است چنانچہ رسالہ در علم تصوف مسمی بواردات مشتمل بر اسرار چند تصنیف
کرد کہ متعلق بدیدن است ودیگر ابیات ورباعیات بطور سحابی وخیام بسیار وارد
بالجملہ رتبہ کمالش تا بحدے است کہ والد شریفش خواجہ محمد ناصر کہ یکے از اولیائے
روزگار ومشائخ کبار است بہ نسبت مریدی وفرزندی وے افتخار دارد ابیاتِ
دیوانش قریب ہفصد شعر از نظر گذشتہ ہمگی لب لباب وتمامی انتخاب است۔

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا | تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی | جس طرف تونے آنکھ بھر دیکھا
نالۂ فریاد و آہ اور زاری | آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی | ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
زور عاشق مزاج ہے کوئی | درد کو قصہ مختصر دیکھا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا | بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ | جدھر ملی وہ ابرو ہمکو نماز کرنا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جی سے سیر تھا | زندگی کا اسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اُس کو بھی | جب تلک پہنچی ہے پہنچی راکھ کا ہاں ڈھیر تھا
شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو | درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا | میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر | میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

مژگان تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں | جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہستی ہے جب تلک ہے اسی اضطراب میں
جوں موج آ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

غافل جہاں کی دید کو مفتِ نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

ہر جزو کل کے ساتھ بمعنے ہے اتصال
دریا سے دُر جدا ہے پہ ہے غرقِ آب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی مگر
یہ ایک آرزو ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

ویسا ہی اب تلک تو وہ دامن ہے اے صبا
کیدھر لئے پھرے ہے تو میرے غبار کو

جی کے جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید وادید تو ہوئی دو سے میری اسکی
پر جو میں چاہے تھا سو بات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

خیر و شر کو سمجھ کے وہ ہے زہر
سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

لا گلابی وے مجھے ساقی کے یہاں مجلس ہے
خالی ہو جائے ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھے ہیں کہ آپس میں جو ہوگا
پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزہ ہے فقط دل کے چاہ کا

شمع انجمن عشق بازان فروغ محفل سخن پردازان جامع آیات سخندانی مجمع کمالات انسانی معجز طراز کرامت تحریر محمد تقی المتخلص میر اصل و منشاء وے دار الخلافت اکبرآباد است

در خدمت خان آرزو که خالوے او بود لختے دانش اندوخته اوائل حال پیش ظہیر الدولہ
بہادر می گذارند چوں بادشاہ گرآبی رسید رفیق راجہ ناگرمل گردید چنانچہ تا حال با
عز و امتیاز در رفاقت اوست۔

اس کا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا — بوسا بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہمارا
ادریس و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے — ان خوں گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا
مغاں مجھ مست بن پھر خندہ قلقل نہ ہوویگا — مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لیکے رو دیگا
اتنا دن اور دل سے طپش کرلے کاوشیں — یہ جھگڑا تمام ہی ہے آج شب تلک
نکلا ہے ایسی خاک سے کس سادہ رو کے — قابل درود بھیجنے کے ہے صفائے گل
گل کی جفا بھی دیکھئے دیکھے وفائے بلبل — یکمشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل
کر سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں — توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل
کیا میں نے رو رو فشار گریباں — رگ ابر تھا تار تار گریباں
جنوں میری کی باتیں جب چمن اور دشت میں چلیاں — نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں
گریباں روز محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر — فغاں پہ ناز کرتا ہوں کہ بلبل تیرے ہتھ بلیاں
گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی — میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں — مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث — برہم ہی میرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ
نہ گئی تسبیح اسکی نزع میں بھی میر سے ہرگز — اُسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا
کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کو ہووے — اچنبا ہے جو اسکے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا
قو تہا مردن دشوار میں عاشق کی آہ — حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق اک جا کے بیچ

حال گلزار زمانے کا ہے مانند شفق — رنگ کچھ اور ہوا جا ہے ایک آن کے بیچ

لوہو میں شور بور ہے دامان و جیب میر — بھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

گر رحم ٹک کب تک جفا مجھ پر جفا کار اس قدر — یک سینہ خنجر سینکڑوں یک جان و آزار اس قدر

صدے آہ جی کے پار ہو ہے تیرے شاید — کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکاں کو

خوش آوتی تجھ بن گل گشت باغ کس کو — صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو

مشہور چمن میں تیرے گل پیرہنی ہے — قربان ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھامے ہے زباں شمع — وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل — ایک عالم اودھر نماز کرے

کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں رہی — لکھتا ہوں تو بھری ہے کتابت ہے ہے

تمام اوس کے قد میں سناں کی طرح ہے — نکیلے نپٹ اس جواں کی طرح ہے

خانقہ کا تو نگر قصد ٹک اے خانہ خراب — رہ گئی ہے یہی ایک بستی مسلمانوں کی

طفلی سے ہوا پیر گیا عہد جوانی — اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی

مدت سے میں یکمشت پر آوارہ چمن میں — نکلی ہے یہ کیسی ہوس بال فشانی

کوکے خاں اصل نام وے مرزا اشرف علی است فغاں تخلص می کند در زمان سلطنت میرزا احمد بمنصب پنجہزاری مفتخر و مباہی گشت سلیقہ سخن سنجی درست دارد چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است چوں دریں ایام در دارالامان ہندوستان گرد سیمہ آفات و شاہراہ بیتاب است بپاس آبروے خویش سفر بنگالہ گزید و ہمانجا رخت اقامت انداخت از وست

مے واسطے ساقی نہیں یہاں چشم تر آیا — دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

نہ الفت نے محبت نے مروت
تیری خاطر کوئی بدنام کیا ہو

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی
اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی

شکوا تو کیوں کرے ہے میرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں میرے لوہو بھر گئی

شانے کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹنے
یک عمر چاہیے تیرے زلفوں سے چھوٹنے

کچھ مدارات بھی اے خون جگر پیکاں کی
تشنہ مرتا ہے کئی دن سے یہ مہماں تیرا

عاشق کے دل سے پوچھیے اس غم کو اے فغاں
الفت بڑی بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

گئی تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی بڑیاں
لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہو گھڑیاں

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے
او میرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

صبا ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر
گریباں چاک رہتا ہے فغاں اسکا سبب کیا ہے

نہ اے قاصد میں رو رو یار کو فریاد کرتا ہوں
ترا منہ دیکھکر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

یاروں نے سن لیا ہے اسیر یکے نام کو
پہچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

رباعی

گر تو نے کی یاری دو دن بھی گذری
ور ہم نے کی آہ و زاری دو دن بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا
یوں بھی گذری ہماری دو دن بھی گذری

واجب التعظیم والتکریم میر محمد حسین کلیم متوطن دہلی است مراتب دانش کسب کرد و سرمایہ سخن سرائے بدست آوردہ در علم عروض و قوافی رسالہ ہا دارد پیش ازیں ترجمان فصوص بزبان ریختہ نظم می کرد و بسبب بعضے عوارض دست ازاں باز داشت حاصل کلام چنیں شاعر زبردستے است کہ اورا پہلوان میدان سخن میتواں گفت قریب بیست ہزار بیت طور قصیدہ و غزل بوضع اشعار میرزا بیدل در حیز خامہ

دو زبانش ترتیب یافتہ از انجملہ انچہ بدست فقیر آمد انیست۔

تجھے برق خار سے کام کیا جو تو چاہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

رکھے ہے انتظار دیدہ یعقوب پر موسی
ہر ایک اعضا میرا کوہ خمیر ماہ کنعاں تھا

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کے کہ یہ شیشہ سنگ تھا

درازئ شب ہجراں زلف یار کلیم
تو مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکے حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا ہیں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے میں ہوگا

نقاب اپنے منھ سے جو تو یار کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا

وفا کا ہوں پر بستہ نہیں تو یہ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

پاس ناموس محبت ہے مجھے از بس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

غرور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

میرا آتش کدہ دل کا کہیں ٹھنڈا نہیں ہوتا
بجھاتے نہیں ہیں جیسے مذہب زردشت میں آتش

بچھڑنا تجھ کو اے بیدرد سخت ہاتھوں سے
دل گداختہ ہوں آہ درد کرتا ہوں

اب دم شمردگی سے مجھے کام بارہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

کرم اللہ خاں درد نبیرۂ نواب اصالت خاں مرحوم پارہ از علوم رسمے اندوخت بقافیہ سخن مشغول شد ثمر استعدادش ہنجاں نارسیدہ برخاک افتاد

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہوجاوے — تو پوجوں اس عقیدے سے کہ کفر اسلام ہوجاوے

تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر — اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہوجاوے

ہر اکدم سانس ہو کر جان مجھ دل میں کھٹکتی ہے — خلش جی کا اگر نکلی تو کیا آرام ہوجاوے

ادب ضرور ہے اس خاک آستانے کا — تڑپ تو اس طرح بسمل کہ بال و پر نہ لگے

تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو — پلک سے لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے

کہ سامنے ہوتے ہی پھر نقش نیارے دل کے — ہٹ گیا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ

ظالم کروں میں ظلم سے فریاد کب تلک — ٹک رحم بھی ضرور ہے بیداد کب تلک

میر فرخ علی از سادات قصبہ آٹاوہ است در سپاہی پیشگی میگذارند ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد اکثر شعر فارسی بر طرازد گاہ گاہ بطور ریختہ نیز فکر میکند خوش خوئے و آشنا روئے در نہاد اوست۔

اسقدر مجھسے ہو کیوں اے مہوشاں نا آشنا — میں بھی تو شاید کسی دن تھا تمہارا آشنا

گو ہوا میسر تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال — پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہ کن سا آشنا

چشم سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر — عشق میں تیرے ہوا مجھسے جدا کیا کیا کچھ

میاں ہدایت اللہ ہدایت تخلص میکند زادگاہ او دہلی است مرید و شاگرد حضرت خواجہ میر صاحب است بسیار باستغنا میگذارند و آبرو بردر ہانمی ریزد با کلہ مروے از قوم افاغنہ با این جمعیت اخلاق و احوال برنخاستہ لالہ سدہ رائے کہ

پیشکار خالصہ بادشاہے است چیزے تواضعش میکند و منت قبول آں بر سرو دوش
خود میگیرد و چوں ہمسایہ فقیر سکونت دارد — از دست

بھلا بتا تو میری جاں کچھ ہدایت نے — تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو — کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تیرے زلفوں کی کچھ چلی تھی بات — روتے ہی روتے گذری ساری رات
یاد کرتے ہی زلف کی ہے قہر — پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

کیا کہوں تجھ بن مجھے ہر دم دم شمشیر ہے — سانس جب پلٹی ہے گویا بازگشتی تیر ہے
دولت بے سعی کی ہرگز نہیں ہوتی ہے قدر — ورنہ مشت خاک اپنی کیا کم از اکسیر ہے

مجھ دل سے تیر عشق ترا پار ہو چکا — ہونا جو کچھ تھا سو تو میرے یار ہو چکا
نت اوٹھ کے مرنے سے تو ہدایت بچا ہوں میں — مرنا بھی گر ہوا کہیں یک بار ہو چکا

ہم دوانے وہ نہیں ہیں جنہیں زنجیر کریں — آگے خاطر میں جو یاروں کے ہو تدبیر کریں
کیا کہوں میں کہ تیرے ہجر میں کیونکر گذری — وہی جانے ہے میری جان کہ جس پر گذری

دید عالم کا کوئی دم کیجے — کس کی شادی و کس کا غم کیجے
دیدہ و دل ہیں گھر تمہارا ہے — آئیے بیٹھے کرم کیجے

اے کہ ماتم میں عزیزاں کی ہے تو خاک بسر — بیخبر کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے کہ نہیں

بدہ سنگھ قلندر تخلص ہندو پسرے است عیالش از نعمت دنیا خطے وافر داشتند
و او را شوریدگی دماغ دریافت از خویش و قوم خود گسیختہ بقلندرے برآمد

مجکو کیا مے جنوں نے آ کر دی — ساری عقل و خرد ہوا کر دی
تجھ نے مل کر ہوا میرا دشمن — تو نے اس دل کو کیا بلا کر دی

اے قلندر جہان معنی میں — داد تو نے سخن کی آ کر دی
پارس اور ہند کر دکھایا ایک — اینچہ اعجاز بر ملا کر دی

بیان

خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیان ہنگامہ آرائی صحبتِ اشعار است در فن ندیمی دستمایہ دارد پیش ازیں کہ خاں فغاں در دہلی بود بنا بر علاقہ محبت بادیگذار نمی دریں ایام بیکار است او تعالی درخور مراد جمعیت ظاہری و باطنی کرامتش کناد

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش مجھسی یار تھا — در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا
جفا ایک لحظہ جو کرتا نہیں ہے وہ تو مرتا ہوں — ستم ہوتا اگر الطاف سے اُسکی جو میں کرتا
مصلحت ترک عشق ہے ناصح — لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو — انہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا
کیا چلے تھے راز دل کہنے کو لوگوں میں بیاں — آپ بھی مطعون ہوا اور اس کو بھی رسوا کیا
بیاں تیرے کوچے سے چلتا رہیگا — میری جان تو ہاتھ ملتا رہیگا
ہو چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف — کافی ہے یاس اس دل ناشاد کی طرف
کروں شکوہ درد و غم کب تلک — بہر حال جیتا تو ہوں اب تلک
کچھ بے ادبی کی ہے بیاں تو نے بھی اس سے — ناحق کوئی دیتا نہیں دشنام کسی کو
حسرت یہ اس غریب کی آوے اجل کو رحم — بالیں پہ جس کے یار دمِ واپسیں نہ ہو
جادو تھی سحر تھی بلا تھی — پیارے وہ تری نگاہ کیا تھی
کدھر ہے کہاں ہے خوشدلی تو — ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی
مارا ہے بیاں کو یار جس نے — کیا جانئے کونسی ادا تھی
مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

کس واسطے شتابی جانے کی اسقدر ہے | گو صبح ہو پیارے یہ بھی تو اپنا گھر ہے

کون کہتا ہے باوفا تجھ کو | کذب ہے افترا ہے تہمت ہے

یہاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو | تجاہل کے قرباں تغافل کے صدقے

الجھ دیکھو دامن سے اس کے بھی ہاتھوں | یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ہووے

لب تک تو شکایت سے آئی | پھر آگے حجاب سے نہ نکلی

آئی نہ جگر سے آہ باہر | یہ سیخ کباب سے نہ نکلی

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا | عالم کے غضب سے بجان کھوتا ہیگا

غنچوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں | زانوں پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

سیادت پناہ محمد میر مطلب خوشنویس بے نظیرے است خط شکستہ و شفیعائے خوب می نویسد تختے از موسیقی آگاہ در مبادی حال میر تخلص می نمود چوں او را با میر تقی معارضہ افتاد ازاں باز سوز تخلص کرد با فقیر قدم آشنائے دارد و از انجا کہ داخل توپخانہ بادشاہے است بسبب ہم قربگی اکثر بدربار معلی ملاقات میشود

شہرۂ حسن سے ازبسکہ وہ محجوب ہوا | اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

تجھ ستی سن اے ظالم کوئی بھی ہے گردیدہ | دیدہ ہیں سو گریاں ہیں دل ہے سو ستم دیدہ

اے آہ ابھی رہ جا دل چین سے سوتا ہے | مشکل ہے اگر چونکے یہ فتنۂ خوابیدہ

آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتا میں | پرہیز اگر کرتا بیمار نہ ہوتا میں

نہیں دیتا ہے مجھ کو چین یہ دل بیقراری سے | تنک جھپکے تو دکھلاوے کہ میں بیہوش ہوتا ہوں

چین آتا نہیں مجھے یارب | دل پر اضطراب ہوں کس کا

میر حسن علی شوق سپاہی پیشہ است ہمیشہ بروزگار عمدہ گزرانیدہ اکثر شعر فارسی

درپیش دارد وخود را از شاگردان خان آرزو می گیرد۔

پڑھ کے مجھ خط کو یہ جواب دیا
نامۂ شوق کا جواب نہیں

محمد فقیہہ درد مند تخلص می کند در عنفوانِ شباب حسنِ دلفریب داشت شاہ ولی اللہ اشتیاق کہ در طبقہ ثانیہ گزشت بشاہدہ جمالش عمر از سرنو می گرفت چوں گل زیبا از رنگ و بوئے وفا اثرے ندارد باندک تغیر گسیختہ بمرزا جان جاں مظہر پیوست مدتے بخدمتِ ایشاں استفاضہ آگاہی کرد بقافیہ سخن سنجی برآمد چنانچہ مثنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحہ روزگار از وے یادگار است۔

قفس تک بھی نہ پہنچی یاد بڑی دور آشیانے سے
عجب ساعت سے بچھڑے تھے چمن کے آشیانے سے

الٰہی مت کسی کو پیش رنج و انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

صدر نشین بزم شعرائے متاخرین انعام اللہ خان تخلص یقین شاعر صاحب طرز یگانہ عصر و وحید دہر است باخلاق حمیدہ اتصاف دارد و مصرع از زبان ہائے خامۂ سحر طرازش باین ہمہ لطف وخوبی می تراود کہ بمجرد استماع دل عشاق قطرات خوں شدہ از دیدہ فرو میچکد بزرگانش در بلدہ سہرند اقامت داشتند و اکثرے از شرفا و روسائے آن ضلع بخدمت ایشاں استفاضہ معنی می کردند چوں والد شریفش بدار الخلافت رسید حمید الدین خان کہ ملقب بہ نیمچہ بود بصیغہ خود را بہ آن بزرگوار نامزد کرد و این معنی را موجب افتخار خویش دانستہ بالفعل خان موصوف بمنصب ہزاری پانصدی سرفرازی دارد و پیش ہم چشماں خود معزز و موقر است حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

ہے تیرے داغ سے ترسینہ سوزاں میرا
آب و رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا

غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل
بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

موج دریا کی طرح ضبط میں آ سکتا نہیں
کیونکہ لکھے کوئی احوال پریشاں میرا

روا گر دیجئے اس کو بھی کبھو عیب نہیں
آئینہ سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا

میں تو ظاہر نہ کروں اس کی جفا کو لیکن
چھپ سکے کیونکہ یقیں زخم نمایاں میرا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

رہا میں بیخبر افسوس لذت سے اسیری کے
اگر یہ جانتا تا کنج قفس میں آشیاں کرتا

اگر مرکر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا گماں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیر پری آئینہ کو آتی ہے
دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہوگا

ناچار ہے دل اپنا گیا خاک میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا

جو کچھ کہیں یہ تجکو یقیں ہے سزا تری
بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بیطرح امڈے ہیں یہ برسینگے زور

خال گورے منھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی رات کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں لگتا نظر کرنا بیاباں کی طرف

اس ہوا میں رحم کر ساقی تو دے جام شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھ سنکے ساقی بات پی جانیکا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دوانہ باؤلا سا کنج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانا کھول دو زنجیریں

وہ ناخن ابرو خوباں سے خوشنما رہے
کسی کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

لگائی بھی پی گئیں ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

کوئی یہ چاند سا منہ چھوڑ کر عاشق ہو شعلہ کا گذر آتش پرستی ہے یہ پروانہ سی کہد یجو

اسیران قفس کی نا امیدی پر نظر کیجو بہار آوے تو اے صیاد مت ہمکو خبر کیجو

منہ اپنا نہ دیکھا کر ہو جاوے گا دوانا آئینے کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے جو دن پڑتے ہیں یہاں راتوں کو سو تیری بلا جانے

وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقین دیکھیے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس نسبتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے جی میں ہے اس صبح منور کو تضمین کیجیے

چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

ہمیں ہجر چمن ہے موت پر صیاد کیا جانے جو گذرے سر پہ مقتولوں کے سو جلاد کیا جانے

دوانا ہوں میں جی دینے پہ مجنوں کے سلیقے کا مزہ لے لے کے مرنے کیطرح فرہاد کیا جانے

مجھے یہ بات سیکھی یاد ایک مجنوں عریاں سے کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گذرے گریباں سے

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے صبا یہ بھی ہوا خواہ نہیں ہے آخر گلستاں کے

ٹک اک انصاف گر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

اب تو کیجئے نگہ لطف کہ ہو توشہ راہ کہ کوئی دم کو یہ بیمار سفر کرتا ہے

افتادہ مزاج و خدمت گزیں میر باقر المتخلص بحزیں از سادات اکبرآباد است پیش از ایں بعلاقہ روزگار در دہلی بود الحال کہ کساد بازاری مردم کار راست بنگالہ رفت

وہ کہ ہے ملک سلم جسے یکتائی ہے
خوب لیتا ہے مزہ عالم تنہائی کا

ہیں تو بندہ ہوں ترے جور وجفا کا لیکن
سخت دھڑکا ہے مجھے اسد دل سودائی کا

مرزا مرتضیٰ قلی فراق از ملازمان توپخانہ بادشاہی است اکثر شعر فارسی برطرازد
دور سخن سرائے سلیقہ درست دارد ہرچند آں طوطی شکر شکن متولد ہندوستان
است لیکن نظم کلامش ماناں بفصحائے ایران۔

تماشا اس چمن کا کس کے دلکو شاد کرتا ہے
کہ یہاں تک لب تبسم غنچے کو برباد کرتا ہے

اسیروں کی قسم ہے اے صبا سچ کہہ کہ گلشن میں
کوئی آں ہم نوایان ہے ہمیں کبھی یاد کرتا ہے

میر محمد یار متخلص خاکسار مردے است جنتی از خادمان حضرت قدم شریف در
حقیقت متمکن و باعتقاد خود ظریف ہرچند حسن آشنا و غیر آشنا بر سر رشتہ مزاح
می آرد لیکن ہمکش تاب شنیدن جواب ندارد و بنابریں از تمام عالم شاکی است
چنانچہ حضرتم مرزا رفیع صاحب نقل می کردند کہ روزے بندہ و ایں عزیز بخانہ
مرتضیٰ قلی وارد بودیم ایں بابابے موقع وقت اختلاط تقریب شکوۂ میر تقی بمیان
آورد بحضار تکلیف ہجو میر مسطور کرد ہرگز ایں معنی راہیچکس قبول ننمود مگر بپاس خاطر
ہماں لحظہ ایں مطلع راموزوں کردہ حوالہ اش نمودم۔

میر کا مکھڑا ہے یا تنہا گل زنبق سا ہے
پیٹ بھی اس کا جو میں دیکھا سو کچھ بہنتی سا ہے

بمجرد شنیدن قریب بود کہ حاضران مجلس از فرط خندہ ہلاک شوند و ایشان نیز
بدستور چوں ساعتے بریں منوال گزشت دید کہ یاران دست از خندہ برنمیدارند
نگاہے بر شکم خود کرد و دفعتاً برخاست و پدر و پوچ و حشو کہ در دنیا بود تحویل سامعہ میرزا
و یاران اش نمود ہرچند مردم رو بسماجت آوردند ہیچ فائدہ نکرد از آں روز ترک ملاقات است

دل آشفتہ ہو کے کیا لیا میں
اے خانہ خراب کیا کیا میں

ترے زلف سیہ سے اے پیارے
مجھ کو یکسر ہزار سودا ہے

خاکسار اس کے تو آنکھوں کے گھے مت لگیو
مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

تیغ قاتل سے ہوے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کو اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے ناصح تجھے حاصل میرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مر جانے میں

خاکسار عاشق میخوار کو تقوی سے کیا
ابھی دیکھا تھا میں اس زہد کو میخانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو تیرے پیارے
یہ تیرا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام
تار اس زلف کا رگ جاں ہے

تمکین

صلاح الدین تمکین شاعر خوبے است دخل را از خرچ نشناسد ہموارہ با رنکاب شراب مشغول است تا مست طافح نشود دست بر ندارد از وست

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھکو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

خانہ برانداز محبت خراماں میر عبد الحی المتخلص بتاباں جوانے بود در نہایت حسن و جمال ہمصحبت یاراں حال با وجود لیلی انشی مجنوں را داب محبت آموختی و با کمال انجمن آرائی شمع وار داغ بر جگر سوختی اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ داشت آخر حال برفاقت نواب عنایت اللہ خاں بتنعم می گذاند چوں در خوردن شراب کثرت ہا کرد رطوبت فضلی بہمرسانندہ مستسقی گردید و بہمیں احوال از جہاں رفت۔

کیا کہوں میں ماجرا اپنے دل بیتاب کا ۔ آب جسکو دیکھ کر زہرا ہوا سیماب کا
اے طبیبو سوائے وصل کبھو ۔ کچھ بھی درماں ہی عشق کے تپ کا
بیتابیوں کا عشق کے کرتے ہو کیوں گلا ۔ تاباں اگر یہ دل ہے تو آرام ہو چکا
ساتھ تو سوتا ہے ظالم پر گلے لگتا نہیں ۔ منتیں کرتے ہی کرتے آہ ہو جاتی ہے صبح
لے تے میری خبر چشم میرے یار کی کیونکر ۔ بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر
دن تو تجھے جاتا ہے تڑپتے مرے تاباں ۔ سچ کہہ کہ حقیقت ہے شب تار کی کیونکر
سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں ۔ کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں
غم وصل میں ہے ہجر کا ہجراں میں وصل کا ۔ ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں
پھر آ جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک ۔ قاصد پھرا نہ وہاں سے لیکر جواب نامہ
تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے ۔ آہ کیا چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے
تیری ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز ۔ گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے
آج تھمتے ہی نہیں میرے آنسو ۔ تیرے کوچے کی راہ پائی ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنے ۔ مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
یوں تری زلف میں دل بستے ہیں گرفتار کئی ۔ ایک زنجیر میں جیسے ہوں گنہگار کئی
مرگ سے تو نہیں میرے کچھ آثار ہنوز ۔ رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

چشم و بینش و دانش مردمک دیدہ آفرینش افسر فرق بختیاری نقش و نگین بامدارے اشرف اہل زماں وزیر الممالک غازی الدین خاں بو الافطرتے و شگفتہ روئے معروف است احوالش از کثرت اشتہار محتاج بتکرار نیست ۵
آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را ۔ در ایامے کہ فقیر این غزل طرح کردہ بود

کہ مطلعش اینست۔

کوئی دن آگے بھی زاہد عجب زمانا تھا — ہر اک محلہ کی مسجد شراب خانہ تھا

درہماں ردیف وقوافی بتغیر بحر چند شعر بداہتہ موزوں کرد کہ مثل آں بسیار بتلاش میتواں گفت وہمیریں نسق گاہ گاہ علی سبیل تقریب یک دو مصرع ریختہ وفارسی فکر می کند چنانچہ ایں مطلع از ہماں غزل است

کھولنا زلف ایک بہانہ تھا — مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

خان رفیع الشان مہرباں خاں بہادر جوان خوش ظاہر وباطن پسر خواندہ نواب امیر الامرا غالب جنگ محمد احمد خاں بہادر است ذہن سلیم وطبع مستقیم دارد اکثر بمقتضائے موزونی طبیعت باشعر وسخن واہل آں الفت تمام دارد چنانچہ میر سوز وغیرہ دوسہ شاعر ریختہ از قدیم بخدمت او می بودند دریں اثنا یگانہ جہاں اشرف زباں حضرت مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالی برفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں بہادر در بلدہ فرخ آباد رسیدند خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزائے موصوف را برفاقت خود گرفت از انجا کہ تربیت اہل کمال را اثرے تمام است سخنش ایں ہمہ ترقیات نمایاں کرد کہ بالفعل بشاعر زبردست را از عہدہ آں برآمدن دشوار است چنانچہ درردیف وقوافی مشکل زمین غزل تازہ می پیماید وداد سخنوری میدہد حق تعالی سلامتش دارد

از وست

کسی نے روم سے قسمت میں کوئی شام لے آیا — ہمیں سے کچھ نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

حافظ حاوی سخن لالہ بندرابن من سکان بلدہ متھرا یاران مرزا صاحب است بہ نسبت ہم پیشگی راقم تخلص می کند قوت حافظہ بکمال دارد چنانچہ قصیدہ صد بیت بہ یک

شنیدن یاد گرفته به تکرار آن متامل نشود بالجمله مذاق سخن درست دارد خصوصاً غزل را برنگے مخمس کند که زیاده از پیچ خانے گل رخان ناخن بدل زند

نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا — چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا
پریشاں ہی نظر آتا ہے دل ذرات عالم کا — صبا کیا کھل گیا ہے پیچ اس کی زلف کے خم کا
جو کہ مائل ہے تیغ ابرو کا — تشنہ لب ہے وہ اپنے لوہو کا
تیری اعضا میں تجھ کمر سے میاں — فرق ہرگز نہیں سر مو کا
راقم ہوتا نہیں وہ ہم آغوش — کیونکے ہو دور درد پہلو کا
حاضر ہے ترے سامنے راقم کر اسکو قتل — مجرم یہ سب طرح سے ہے پر نگاہ کا
ترے پیچھے یہ دل اشک کی طرح — گیا ایسا کہ پھر ڈھونڈا نہ پایا
ہے زلف میں تیری جائے عاشق — زنجیر ہے اور پائے عاشق
اے عشق تو اس طرح مجھے مار — تا یار کہے کہ ہائے عاشق
دیکھا نہو جسے میں کوئی سر زمیں نہیں — پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں
سنتے تھے ہم جہاں میں ہی اہل کرم کے ہاتھ — آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں
مرے مے پینے سے زاہد کریں تو میکسارا — زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
گیا ہنسنے ہے تو مرے سینہ صد چاک کو گل — سر فرو لا کے تنک اپنے گریباں کو دیکھ
معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش — اپنی رحمت پہ نظر کر میرے عصیاں کو دیکھ
ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں — موج دریا ہے شکنج آستیں
زلزلے کو ایک دم فرصت نہ دے — ہوئے دل میرا اگر زیر زمیں
یہاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو — تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

مژگاں سے دل بچے تو ابرو کرے ٹکڑے
پہ بات کہہ کے میں نے جب دلکی داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوئے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

دیکھا میں رات جا کر احوال چشم راقم
برسات کی اندھیری پتلی کی تھی سیاہی

کس کے گلو کا قطرۂ خوں ہے نہ زمیں
جوں تکمہ اوگتے ہیں گل اور نگ اتابک

بیچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہہ کو
اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں

کہتا ہے کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

مخمس من تصنیف راقم کہ غزل مرزا صاحب را تضمین کرد

مخمس

نشو و نمائے باغ جہاں سے رمیدہ ہوں
شادابی ریاض سے دور آفریدہ ہوں
فکر غم خزاں سے بہت آرمیدہ ہوں
نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

یارب میری کٹے ہے عجب طرح صبح شام
حیرت ہی میں گذرتی ہے پھرتے ہیں مدام
مطلب غم سے مجکو نہ کچھ خرمی سے کام
گر ہیں بشکل شیشہ و خنداں بطرز جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

مجھ سے تو بیدماغ عبث آشیاں ہے تیں
گو سو طرح کی حسرتیں اس دل کے بیچ ہیں
اظہار اوسکا مجھسے ہو کیا سے اس کے ایں
تو آپ سے زباں زد عالم ہے ورنہ میں
یک حرف آرزو سو لب نا رسیدہ ہوں

سنتا نہیں ہے درد رعیت کا بادشاہ
قاضی سو حسن دوست بتا نکو ہے اس راہ

اور کوتوال شہر کی رشوت پہ ہے نگاہ
کوئی جو پوچھتا ہو یہ کس پہ ہے داد خواہ

جوں گل نہار جاسے گریباں دریدہ ہوں

آیا نہ تجھ کو رحم میرے حال پر کبھو
پوچھا نہ تونے آکے میری چشم سے لہو
دیویگا کیا جواب خدا کے تو روبرو
گر ملے ہے جاکے گل کی تسلی چمن میں تو

خون جگر میں میں بھی تو دامن کشیدہ ہوں

بسمل صفت نہیں ہے مجھے آرام ایک تل
ہے مرگ میرے دم سے نہایت ہی متصل
ملنا اگر ہے مجھ سے تو ظالم شتاب مل
غافل ہے کیوں ترا میری فرصت گوش دل

اے بے خبر میں نالۂ حلق بریدہ ہوں

پوچھے ہے تو کبھو کہ ترا رنگ کیوں ہے زرد
کہتا ہے گاہ یوں تو مجھے بھر کے آہ سرد
تو کون ہے جو ملتا ہے چہرے سے اپنی گرد
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

مرزا محمد احسین متخلص بمخلص متوطن شاہجہاں آباد نبیرہ وزیر خاں مرحوم است کہ در عہد عالمگیر بادشاہ فوجدار بلدۂ سہرند بود ہر چند خانہ زاد موروثی است لیکن چوں ارکان سلطنت از احوال امثال چنیں مردم غافل واقع شدہ از بنابراں بنقدی قلیل در رسالہ گذر خدمت می نماید حق تعالی سلامتش دارد۔

سرخ چہرہ ہے نہیں خون کسی کا یارو
باندھیو باندھ میرے لال پہ بہتان کرو

محمد محسن محسن تخلص جوانیست نوخاستہ خلف الرشید میاں حسن کہ خواہر زادہ خاں آرزو است طبعیتش خیلے مناسب شعر افتاد اگر چندے مشق خواہد کرد بسیار برتبہ خواہد گفت۔

یوسف مصر بھیجتا ہے کوئی / تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو
حرف تیرے عقیق لب کا شوخ / زندہ کرتا ہے نام عیسی کو
دور سے گئے وہ کوہکن و قیس کے جو تھے / میرے جنوں کا ابتو زمانے میں شور ہے
میرا رنگ رو اس قدر زرد ہے / کہ یہاں زعفران ابھی گرد ہے
اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور / مرے پاس بھی یک دم سرد ہے
بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہو گیا ہے / اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے
تک راہ پر تو آداب سیر کو محسن / مانند نقش پا کے پامال ہو گیا ہے
تعزیت دار حسرت دل ہے / یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے
دل پر آبلہ میرا محسن / رشک آئینہ حبابی ہے
اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالہ شب کا چرچا / دیکھو تو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں
طبع نازک کو مرے ہاتھ میں رکھیو تو کہیں / قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں
تک ابرو ہلی عاشق الٹ گئے / مجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے
کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں / مجکو تو تن بدن کے بھی اپنی خبر نہیں
اس دشت پر خطر کا میں تشنہ ہوں جہاں / آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گذر نہیں
اے دیدۂ خانماں تو تو اپنا ڈبو چکا / اب روتا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا
محسن مرا دل نہ میں تو بھلا جی کم کیا کروں / ایک دل بساط میں تھا سو میں وہ بھی کھو چکا
دل میرا وابستہ ہر تار زلف یار ہے / ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے
اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر / جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے
نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت / لیے ہی جاتی ہے دل وہ چھنال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں میں نکل جاوے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آیان کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں اس بن
ہو بھی اے مردن دشوار تنک آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

میر ضیا بشاہد پرستی مشہور است ولیل و نہار باشاہدان روزگار محشور ظاہر حالش آراستہ تمکین وصلاح است یمکن کہ باطنش نیز بخیر وفلاح باشد۔

جنت کا مت دو مژدہ مجھ سا کہیں رے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

جوں چنار اس جا بہ ہوسے ہیں یہ پھل لائے ہیں ہم
جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

مغاں میخوار سب یہاں سے دلوں کا کام اٹھے
ہمیں ہیں نامراد ایسے کہ خالی جام اٹھے

دانش آگاہ شاہ قدرت اللہ از بنائر شیخ عبد العزیز است کہ مزار شریف ایشاں پہلوئے چپ کوشک واقع است در عنفوان شباب چندے چرگشتے گروہ بسودائے خدا پژوہی افتاد و باکثرت از مشائخ روزگار در خور دار دا چوں کارہا در گرد تقدیر است اورا از صحبت متبرکہ ایں طائفہ کشادکارے دست نداد آخر حال بخدمت شاہ عشق اللہ کہ سر دفتر قلندراں زمانہ بود ملاقات کرد وبمقتضائے مناسب مزاج در اندک مدتے کار خود را باتمام رسانید بالجملہ اورا حالت شگرف حاصل است کہ ہیچ گاہ افاقت از آں متصور نیست باوضاع شتے میگذراند ویک طور مقید نیست براحوال فقیر شفقت ہائے کند حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

وہ دن آتا ہے کسی کو نہ کوئی یاد رہے
نام مجنوں رہے نے شہرۂ فرہاد رہے

ہماری خاک پر کہتے یہ بلبل بے قرار آئی
ارے کس نیند سوتا ہے دوانے اٹھ بہار آئی

آوے کیونکے پاویں جہاں ڈھونڈھتے ہیں | کہ وہ بے نشاں ہم نشاں ڈھونڈھتے ہیں

تمنا کو ہے مژدہ نا امیدی | کہ وہ کس جگہ ہم کہاں ڈھونڈھتے ہیں

آپنے سے ترک کوے یار ہو سکے یہ نہو سکے | ایسے مقام سے کنار ہو سکے یہ نہو سکے

چشم جو عین وصل میں رہتی ہے تشنہ جمال | ہجر میں ان سے انتظار ہو سکے یہ نہو سکے

وعدہ سلسبیل پر ہمسے تو آج واعظا | ترک شراب خوشگوار ہو سکے یہ نہو سکے

جاوے اے قدرت اس جگہ تو ہی یہ ذلتیں اٹھا | اپنی تو آنکھ پھر دوچار ہو سکے یہ نہو سکے

میر ابوالحسن وحشت چندے غزال روش بچراگاہ وجود ستانش گشتہ بصحرای عدم شتافت ۔

ہیں تو شروع نزع سے کی تھی تجھے خبر | پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

گہہ گریۂ شب گاہ ہیں آہ سحری ہوں | جو کہئے سو ہوں پر گرد بے اثری ہوں

جس پاس میں جاتا ہوں سو کھنچتے ہے مجھ سے | گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں

قاتل اگر کہے کہ سکتا ہی چھوڑ دیو | خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ دیو

شیشہ نہیں جو مول لیا دیں گے پھر اسے | پیارے یہ دل ہے اسکو سمجھ کرکے توڑ دیو

کر دیگا اس دوانے و لگی ہیں تدبیر آنکھوں سے | لگی ہے بہنے موج اشک کی زنجیر آنکھوں سے

مثال عکس آئینہ نکل جاتا ہے جی میرا | جبھی ٹک دور ہوتے ہی تری تصویر آنکھوں سے

کہیں یہ چھوٹ دیکھا ہے تجھے جب میں بلاتا ہوں | صبر کا تو چلا جاوے مجھے کہتا ہے آتا ہوں

جس سے ہوا آشنائی کا رشتہ نہ توڑئے | گھٹتی ہے اس میں توڑ کے کر پھیر جوڑئے

نسترن ہے گل ہے سوسن ہے گل اورنگ ہے | اے بہار باغ بے رنگی یہ کیا کیا رنگ ہے

بید مجنوں کی طرح جتنی بڑھی گھٹتی ہے | شجر عمر کی بالیدگی معکوسی ہے

نجم الدین سلام محک سخن بود شعر رانیکو می فہمید ہمراہ لشکر نواب صفدر جنگ بہ پورب رفتہ ودیعت حیات سپرد۔

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ ۔۔۔ درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بیتابیو قسم ہے تمہیں میرے صبر کی ۔۔۔ مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ پٹیالہ پسر نوندہ رائے پیشکار یست از ناموزوں تا موزوں فرق بیتواند کرد

مجھ دل کا اے طبیب سمجھ کر علاج کر ۔۔۔ مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دکھیا

میاں رمضانی جولان تخلص مرد عزیزے است در شیوۂ کمانداری خود را از اساتذہ برشمرد گاہ گاہ بر سبیل ندرت یک دو مصرع ریختہ موزوں می کند۔

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن ۔۔۔ جیوینگے ہم سے شخص کیا تجھ بن

نرم لڑکے کی بنی صورت کڑی ۔۔۔ رانگ کی تلوار یہ کس نے گھڑی

محمد عارف رفوگر در فن خود ہمتا دبرنگ سوزن انگشت نماست از پیوند پیکان سر رشتہ سخن سرائے بدست وے افتاد

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف ۔۔۔ اگر زلف سیہ کا پیچ منہ پر اس کے کھل جاوے

دختر رز سے کہہ کہ اس سے ملے ۔۔۔ ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

بسمل آہنگ سخن گوئی دارد اما از کم بضاعت درگرد عاجز بیانی است چیزے کہ در دل او نراند بر لب اظہار نمی تواند آورد۔

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ ۔۔۔ ملا تا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں

شاغل خود را شاگرد بسمل گویدا ما شعرش از استاد بسیار بہتر است۔

شاغل کو روز شب ہے تیرا ذکر زلف و رخ
جاتی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ

ہمرنگ دلاور خاں نام برادر حقیقی میاں یکرنگ است مزاج او بپیرایہ سادگی دارد اکثر حرفہائے ناشمردہ بر گذارند۔

کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا

اس تغافل شعار نے نہ پڑھا
میں تو لکھا تھا اوسکو خط ہمرنگ

میاں محمدی بیدار از خوبان روزگار است فہمے تیز و تند دارد از چندے تغیر لباس کرد باستغنائے تمام بسر برد از وست

کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو
صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو

میر گھانسی از یاران میر محمد تقی است لختے از اسلوب سخن طرازی آگاہ است

تیرے آواز سے جیتا ہوں نہ مر بلبل
تو ہوا در باغ ہوا اور زمزمہ کر بلبل

جیون مل کھتری است عشاق تخلص میکند میر محمد تقی او را عشاق ذو اللحیہ گویند و در عرف اہل ہند کہ عبارت از مردم اردو است عشاق زن چپٹی باز را گویند اکثر بگفتن شعر ریختہ و فارسی اشتغال دارد سلیقہ سخن سنجی از تخلص وے پیدا است۔

آخر خزاں نے کچھ او باڑا بہار کا
سرسبز خط سے دونا ہوا حسن یار کا

رسوا آفتاب رائے نام جوہری پسر بود شوریدگی دماغ بمرتبہ اتم داشت اصلا مقید ملت نبود از ہر جا کہ چیزے بہم میرسد میخورد و اکثر سیاہی تا بہ بر چہرہ مالیدہ مست شراب در ڈولی نشستہ بکوچہ و بازار شہر می گردید خیل خیل مردم حمقا صورت عجیب و غریبش ملاحظہ نمودہ ہمراہ او میگشتند مدت چند ماہ است کہ ہمیں احوال از جہاں رفت۔

قفس سے دو ہی گئے ہم اور چمن ہی جا نہیں — اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پاے نہیں

آرام تو کہاں کہ تنگ ہو کے چپ رہوں — آنسو بہے نہیں ہے کہ بھلا رو کے چپ رہوں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو — اس دوانے دل کو رسوا کسطرح سمجھائیے

ہر گلی میں گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در — ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

شیخ فرحت اللہ فرحت از اولاد قاضی مظہر خلیفہ شاہ بدیع الدین مدار است دلش از دست حریفاں بہ ستم رسیدہ و سودائے مفرط در دماغ پیچیدہ است گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ اختراع ایں بروزن مشاعرہ است بنظر می آید و بسیار جوشش در دل گرمی می نماید۔

یار اٹھ گئے جہاں سے اغیار رہ گئے — خالی ہے چمن ستی گل خار رہ گئے

نہیں ہے قدر تری دو جہاں میں اے فرحت — کسو کے چشم سے جوں اشک تو گرا تو نہیں

آوے ہے صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی بو آج — سچ کہہ تجھے سوگند ہے آتی ہے کدھر سے

ترا گناہ میاں ہم نے کیا کیا ہوگا — یہی مگر نہ دل اپنا تجھے دیا ہوگا

جو کچھ کہ ہم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ کہا — میرا برا ہوا اگر میں نے کچھ کہا ہوگا

میری لوح مزار اوپر لکھانا — کوئی دل کو کسی سے مت لگانا

میر ہادی در کمال سعادت پرستی و نیک نہادی از قدیمیاں عنایت اللہ خان کشمیری است دریں ایام بتقریب وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں پایہ امتیاز دارد و اکثر در انجاح حاجات خلایق کوششہائے بلیغ بکار می برد ابیات دیوانش قریب ہفتصد بیت از نظر گذشتہ بعد یک دو ورق شعر با مزہ می برآید

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم — کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

خنداں خنداں پھرا جدھر تو | گریاں گریاں ادھر گئے ہم
کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو | ہادی اُسے دیکھ مر گئے ہم
نامے کو تو لے گیا ہے قاصد | دل دھڑکے ہے کیا جواب آوے

عاقل رائے سنگھ نام مردے سپاہی پیشہ متوطن پنجاب از آشنایان قدیم مرزا صاحب است طبع موزوں دارد گاہ گاہ یک دو مصرع ریختہ فکر می کند۔

نہ بس اپنے سے کیا اُس کو رخصت عاقل | جب مرا بس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا | دل ہوا آنکھوں سے اب دست گریباں میرا
جب وہ کرتا ہے اُن لبوں کا وصف | عاقل اس وقت لعل اگلتا ہے

عزلت میر عبد الولی نام متوطن سورت مردے فاضل و عالم از نبائر حقیقت آگاہ شاہ عزیز اللہ سورتی است باوجود آبادی ظاہر بتعمیر باطن مشغول است در عہد سلطنت مرزا احمد بدار الخلافت تشریف داشت شاعر دوستے در مزاج او بمرتبہ بود بلکہ برائے مناسبت ایں طائفہ گاہ گاہ خود ہم دو سہ بیت موزوں می کرد

نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں | یہ خاک حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں
سدھارے گل کہاں کر کر یہ سونی گلستاں اپنے | گئیں ہیں بلبلیں کدھر جلا کر خانماں اپنے
جس خوش نگہ کو دیکھوں غفلت کی نیند لیوے | میں بخت خفتہ سب کا افسانہ ہو رہا ہوں
دل ہیں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ | یا رب اس بزم سے یہ زہر کا مکڑ جاوے
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا | سو ابکیسی اے وائے کوئی ہمرا نہ رہا
اوسکو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں | کسی بدخواہ سے سنا ہوگا
نخل امید بیوفایوں سے | دل سلامت ہے تو پھل پایا

میر عبداللہ تجرد شخصے است در دکھن بندہ از احوالش خبر ندارم زبانی میر عبدالولی کہ احوالش گذشت معلوم میشود کہ شاگرد نست

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں | خورشید کیا ہے اوسکے فلک کو خبر نہیں

میر میراں نیز شاعر دکھن است ایں دو شعر بنام او در بیاض میر عبدالولی مسطور نوشتہ یافتم دیگر احوالش معلوم فقیر نیست۔

آکر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے | اشک قمری سے گلستاں میں طوفاں گزرے
بس کہ ہے آتش غم تیز درونی میری | ناوک ناز ترا دل ستی سوزاں گزرے

میر عبدالرسول نثار از سر آغاز آگہے بقافیہ سنجی مشغول است پیش ازیں در دہلی بسپاہی پیشگی می گذرانید دریں ایام بسابقہ آشنائے سادات انجا بطرف امروہہ رفت

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن | منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
واں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنے | یہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپے ہیں خاک و خوں میں | ہے صحن خانہ میرا میداں جنگ تجھ بن
اکثر ہیں دلفگار و لیکن نہ اسقدر | کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اسقدر
سونپا ہے تو نے قتل مرا غیر کیتیں | ہوں تو گنہگار و لیکن نہ اسقدر
گھر بار جان و مال میں اس پر لٹا دیا | کرتے تو ہیں نثار و لیکن نہ اسقدر
ہاتھ سے ان جا تو ہوں کے نکل جاویں گے ہم | یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

خواجہ اکرم مردے است نیکو سرشت اکثر رقعات بردیہ میر جعفر بر طرازد وگاہ گاہ غزل ریختہ نیز فکر می کند چوں بر نوشتن ایں بیاض او را توقفے حاصل شد

یک قطعہ متضمن بر تاریخ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد موزوں نمودہ مع دیگر ابیات
پیش فقیر آورد ازانجا کہ مادۂ تاریخ مناسب نام کتاب بود بنا، علیہ ہماں اسم
موسوم نمود۔

قایم رکھے ہمیشہ خدا تیرے نام کو — کرنے سے ذکر خیر کے ہے موجب نجات
تاریخ اس کتاب کی میں نے کی جب تلاش — پیر خرد نے مجھ سے کہا مخزن نکات
یکبار میرے دیر میں زاہد اگر آوے — میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے
صبا کہہ شوخ کی باتیں تیرے پیغام کے صدقے — نہیں لو ہے سے کم لذت میں اس دشنام کے صدقے
فصل گل میں بے سبب نہیں بلبلیں کرتی ہیں دھوم — ہر ورق پر گل کے اسکی ناز کی تحریر ہے
نالے میرے سے کوہ بھی ہو ہے تو گل سکے — پر آہنی دلی سے ترے کچھ نہ چل سکے

سلیمان نظر یافتہ میر عبد الحی تاباں است از بدو حال تا سر آغاز شباب بخدمت
ادمی گذارند چوں آن مہ تاباں از نیرنگی سپہر زنگاری در پردۂ کسوف فنا متواری
گردید ایں بابا چندے تلاطم حوادث ساختہ آخر کار بکنارۂ تالاب فرید آباد
اقامت گزید چودھری آنجا بر حقیقت حالش اطلاع یافتہ بسلوکے کہ شایاں
خدمت باشد پیش آمد چنانچہ تا حال بلباس فقر بہماں جایگاہ بسر می برد۔

تجھسے ظالم سے ملا دیکھ تو طراری دل — کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگر داری دل

مغل بیگ زار تخلص از یاران میر محمد تقی است با وجود کم بضاعتی و نو مشقی
طرز کلامش خالی از انداز نیست

مشہور تھے جو نالے میری گلی میں اوس کے — کوئی اور بھی جو رو دیا سمجھا کہ زار ہوگا

میاں مائل محمدی نام اصلش دار الخلافت شاہجہاں آباد است باوصاف حمیدہ

واخلاق پسندیدہ اتصاف دارد اور در سخن طراری طرزے مخصوص است و ازانجا کہ شعر خود از نظر شاہ قدرت اللہ خاں می گذارند بپرتو صحبت آں یگانہ زمانہ آتش شوق یکتاشانہ باطنش جلوہ افروز۔

اتنا میں مر کے دل سے ترے دور ہو گیا
اک دن بھی آکے تو نہ سر گور ہو گیا

مائل کرے گا کب تئیں گالی کا اسکی ننگ
اس بے ادب کا اب تو یہ دستور ہو گیا

جلوہ کرنے مد رسے ہی میں تو اے جاناں نہ تھا
دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوت خانہ تھا

حال کہنے کی ندی گریہ نے فرصت رات کو
آج پھر کہوا اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا

غلط کہے ہیں کہ معشوق زر سے ملتا ہے
کرے ہے کام محبت سو زر نہیں کرتا

تو نسے مل کے گنوا مجھے دین و دل مائل
یہ کافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

نالہ کو ہم نے ضبط کیا ناصحا تو کیا
منہ سے تو رنگ زرد چھپایا نہ جائیگا

اشک کی طرح گرا جب تو پھر اٹھنا معلوم
میں وہ افتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاؤنگا

کیوں نکالے ہے مجھے ہر گھڑی اپنے گھر سے
میرے رہنے سے تجھے کیا ہے خلل جاؤنگا

غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جا یہاں سے
کہنے لاگا کہ تجھے کیا ہے بے چل جاؤنگا

تو تو مجھپر اک دم غصہ ہو پھر سو تا رہا
شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا

ہے قسمت جو تجھ دید سے دور رہنا
تو بہتر ان آنکھوں سے ہے کور رہنا

اگر یاد میں اس کی گریاں نہو دیں
الٰہی ان آنکھوں میں ناسور رہنا

میاں تو اس آزار سے دور رہنا
ذرا اپنے بیمار سے دور رہنا

معلوم کچھ نہیں دل غمخوار کی خبر
کیا جانے کہ کیا ہے میرے یار کی خبر

بازاریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا
کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر

ہو جانہ رفتہ رفتہ تپ عشق کارگر — مائل شتاب لے تو اس آزار کی خبر

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس — مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

ہونے دے قیمت آگے ہی اے دل بکا نہ جا — دیکھیں کہاں تلک ہے خریدار کی ہوس

عجب صحبت برآرے ہے ان دونوں کی آپس میں — جدا اک دم نہیں رہتے جہاں ہو گل وہیں بلبل

سب یار ہیں تمہارے اغیار ہیں تو ہم ہیں — آنکھوں میں یہاں سبھوں کے اک خار ہیں تو ہم ہیں

چنگا بھلا ہے تو تو پیارے تیری بلا سے — آزار ہے تو ہم کو بیمار ہیں تو ہم ہیں

مائل ہے یار وہ مرد مسلماں پہ یہ ستم — اللہ کا بھی اس بت کافر کو ڈر نہیں

پیالہ دے ساقیا دے مجکو بھر بھر جام گلشن میں — کہ دونا لطف رکھے ہے مے گلفام گلشن میں

مجھے آہ و فغاں ان ہمصفیروں کا خوش آتا ہے — وگرنہ مجھ سے دیوانہ کا ہے کیا کام گلشن میں

نالے میں شب کے فرض کیا میں اثر نہیں — اے آہ صبح تو بھی تو کچھ کارگر نہیں

کچھ تعجب نہیں گر مر گیا مائل تیرا — یار کیا لگتا ہے انسان کے مرجانیکو

کہتا نہ تھا میں باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے — آخر گیا نہ ظالم اک بیگناہ جی سے

ہے وہاں کثرت سی پروانوں کی فانوس — جہاں وہ شوخ شمع انجمن ہے

دل بجان عشق میں کچھ لطف طرحداری ہے — تیری سر کی سوں میری جان بڑی خواری ہے

مارا مجھے تو فکر نہ کر تو کہ یہ تو بات — مشہور ہے کہ مار کے پیچھے سنوار ہے

ممتا

واجب الاعزاز حافظ فضل علی المتخلص بممتاز بہ بلند فطرتی موصوف و بمعاملہ دانی معروف است۔

رباعی

ممتاز کہ ہے تمام اک عجز و نیاز — دلکش ہیں ملاقات کے اسکے انداز

تنہا نہ اسے فنِ سخن میں ہی دست | ہر فن میں بفضلہٖ تعالیٰ ہے ممتاز

از انجاکہ خلاصۂ طبیعتش مائل فقر و قناعت است فقیر مولف نسبتے خاص دارد آلہی موافق استعداد از نعمتِ کونین نصیبہ اش باد۔

جستجو سے بخوشی ہاتھ اوٹھایا ہم نے | ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نپایا ہم نے
عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ | یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ
جان تو حاضر ہے اگر چاہیئے | دل تجھے دینے کو جگر چاہیئے

آرام رائے پریم ناتھ نام خلف الرشید رائے بشن ناتھ از قوم کھتری است ظاہر حالش چوں طبیعت خویش موزوں و موزونے طبعش از خوبے ظاہر افزوں خطاط بے نظیر و کماندار عدیم المثال است والد شریفش در پیشکاری دیوان تن دارد چوں ایں عزیز را در وارسے معاملات بہ از خود دیدہ در حین حیات ولی عہد خویش گردانیدہ است غزل فارسی بکمال تازگی و پرکارے فکر کند و گاہ گاہ یک دو بیت ریختہ نیز سر انجام دہد۔

ان بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے جی کو | خاموشی ان لبوں کی گپ چپ ہی کی مٹھائی

آشنا لختے از سخن طرازی آشنا است بعضے اشعار از نتائج فکرش ہم رنگ وتہ دار برمی آید۔

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا | درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اس کے | نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
آشنا کے تو حال سے ظالم | اک ذرا بھی خبر نہیں رکھتا
کبھی تو مہرباں ہو ہم پر اے بت | کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے

جوں نگیں مجھ کو رکھ تو سینہ فگار
کہ ترا اس میں نام ہوتا ہے

عشق ہے خوب پر نہیں اتنی بھی جلدی اے دل
دیکھ تو لے تو گرفتار کہاں ہوتا ہے

آشنا حیف تری قدر نہ جانی ہم نے
ورنہ تجھ سا تو وفادار کہاں ہوتا ہے

نہیں معلوم کس کے غم میں ہے یہ بیقرار اتنا
نہ پایا اس دل بیتاب کا کچھ مدعا ہم نے

آشنا کیا بنے گا آخر کو
تجھ سے خانہ خراب کی صورت

عالم میں ہے جو کوئی نالاں ہی تجھ ستم سے
ہاتھوں سے تیرے شکوا ظالم کہاں کریں ہم

میر یادگار علی سید تخلص جوانے است سپاہی پیشہ از سادات قصبہ بہادر پور کہ مشہور ضلع میوات است طبع موزوں دارد اکثر غزل ریختہ فکر کند از بسکہ متصل فقیر خانہ باشد ہمیشہ اتفاق ملاقات میشود خدایش زندہ دارد۔

خدا کے واسطے صیاد تو کر اب تو دام اپنا
کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا

شورشیں باقی ہیں دل میں تس پہ آتی ہے بہار
دیکھیے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہے بہار

کیا اب امید کریں وصل کی مرتے مرتے
عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے بھرتے بھرتے

کیا کہوں اپنی میں منحوسی طالع سے کہ چغد
آتا ہے مرے ویرانہ پہ ڈرتے ڈرتے

میاں سرمایہ اپنی مفلسی کا
یہی اک دل تھا سو تیری نظر ہے

نور بصر میاں غلام حیدر خلف رشید حضرت میرزا صاحب است طبع سلیم و فہم درست دارد اگر دنبال انداز گوئی والا ہمتے گیرد باندک روئے اصلاح پذیرد۔

عالم از بسکہ تری شوخی سے بیدادی ہے
جو کوئی ہے سو ترے ہاتھ سے فریادی ہے

پوچھا کیا ہے خبر مجھ سے جا بجا کی اے یار
سب ہے اودھر ترے کوچہ میں آبادی ہے

لالہ خوش وقت رائے شاد آب مولد او قصبہ چاند پور است بحوالے استعدادش

قبول تربیت بآسانی کند از نثر نویسی نصیبہ وافی اندوختہ با قران و امثال خود باعزاز و امتیاز بسر می برد از بسکہ بسیار مؤدب و مہذب است جائے او در خلوت سرائے دلہا خالی است گاہ گاہ بایمائے فقیر بگفتن ریختہ میگراید ازوست۔

دیکھ اس کے رخ پہ زلف سیہ فام کے تئیں — کیا زیب دے ہے کفر نے اسلام کے تئیں
بس ہو چکی شفا دل آزار کے تئیں — اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
کہتا ہمیں ہے شیخ کہ پڑھ قبلہ رو نماز — گر دیکھتا اُس ابروئے خمدار کے تئیں
جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو پہ نہ چڑھا — تیر کے ہوتے بھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو

مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے متخلص بوفا جوانیست نوخاستہ بجمیع صفات آراستہ و پیراستہ جدت ذہن و جودت فہم اصابت رائے و لطافت مزاج بمرتبۂ اتم دارد ہمین برادر زادہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر راست و این عزیز بہ تحصیل بعضے پرگنات آن روئے گنگ نیز اشتغال دارد طلب بر کمال دامنگیر حال اوست گاہ گاہ دو سہ مصرع ریختہ بشستگی و رفتگی سر انجام دہد۔

عارض پہ یہ تمہارے پسینا — ہیرے کا ہے لعل پر نگینا
اس غم میں بھی اگر رہا سلامت — پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ
کہیے ہے کس سے دل احوال اپنا — پڑا ہے یہاں ہمیں جنجال اپنا
خجل ہوں ابر طوفاں بار کتنے — نچوڑوں ٹک اگر رومال اپنا
ہو سکیگا دل سے محو غم یار کب تلک — کیوں ہمنشیں یہ جاویگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے مرا نالہ و فغاں — یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک

شعلہ درہم باؤ سے ہوتا نہیں اے اہل بزم
شمع سر دھنتی ہے گر گر یاد پروانے کے تئیں

شیخ کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں
ورنہ ہے ایک ہی کعبہ و بت خانے میں

کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت
آخر ایک دن وہی ٹھکانا ہے

کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری
ہم زر داغ سے جسکے نہ خریدار ہوے

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے
کیا جانتے نہیں ہو میاں جسطرح سے ہے

کل دل کو لیا مکر گئے آج
بس آپ کا اعتبار دیکھا

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور
جسطرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

ہوتے تو دل اسپیچ میں گرفتار ہو گیا
اب چھوٹنا یہ زلف سے دشوار ہو گیا

سمجھے صفائی شست تیری چشم کا وہی
جس کے جگر سے تیر نگہ پار ہو گیا

دیتا تو دل نہ آپ کو مقصود تھا ولیک
جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

ایسے مزاج بھی کہیں دیکھیں ہیں باوفا
کیا بات تھی جو رات وہ بیزار ہو گیا

ہر دم سرد جو دل اوسکے گرم فغاں
شغل تھوڑا بھی بھلا ہوے ہے بیکاری سے

کوچہ عشق کی ہے راہ خطرناک دانا
جو قدم یہاں تو رکھے یار تو ہشیاری سے

کچھ خیریت نہیں نظر آتی مجھے کہ آج
لگتے ہیں اوس کے کان سے اغیار دمبدم

ابھی ہی چشم گیتی تاب نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اسقدر کہ شیخ
وہاں کے معاملہ سے کسی کو خبر نہیں

الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہو اغیار کے
یہ کچھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

جوں اشک تو پھر اوٹھا زمین سے
یاد ہے میں گرا ہوں کس نظر سے

آنے کا میرے وہ دشمن کے گھر چرچا
نکلا نہ تمام روز گھر سے

آیا گھڑی نہ ہوش میں اپنی تمام عمر / بیماری وفا بھی رونے سے متانہ ہو گیا

عشق میں امتیاز رتبہ نہیں / خاکپا ہے ایاز ہے محمود

بت سے لیتے ہیں کام حضرت حق / شیخ ٹک دیکھ اعتقاد ہنوز

دل کو کہیں ہے جی میں گرفتار کیجئے / یعنے کسی صنم کتیں پیار کیجئے

گر مانگتا ہے جی کتیں دیجئے وفا / کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجئے

حباب آسا نہ بھول ہستی پر اپنی / کہ غافل کیا بھروسا ہے نفس کا

دکھ نہ دے اسقدر وفا کتیں / عاقبت وہ بھی جان رکھتا ہے

اپنی غرض کو ہم تو ہی کچھ سہیں گے لیک / ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زبان خراب

بسکہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم / بستر گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ اگر کیا بھی اونے اے محرم تو کیا / یہاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

ایک راہ کوئے زلف سو سر بستہ اے وفا / ہم آہ کس طرف کتیں لیں سراغ

نوبت غم فراق میں پہنچی ہے جان تلک / ظالم شکیب و صبر پھر آخر کہاں تلک

اس کو منظور یہاں سے جانا تھا / گریہ میرا فقط بہانہ تھا

دل نہ کرنا تھا اس طرح سے خراب / عاقبت وہ ترا ٹھکانا تھا

پھولا ہے لب دریا جو نہ دیکھے ہوں تو آ / ساتھ آنسو کے ہیں یہاں قطرۂ خون ناب رواں

کشت اپنی نہ ہوئے سبز فلک سے گاہے / ہے وفا آٹھ پہر کوچہ دولاب رواں

عدم کے جانے سے کیا حیف ہے عزیزاں کے / کہ کوچ اودھر ہی کو ہے صبح و شام اپنا بھی

بیچے ہے یک نگاہ پہ دل کتیں وفا / لینا ہو گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

حال دل کیوں کے کہوں اس سے وفا خلوت میں / جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہ ہو

راضی وہ ہو کے رات سحر میں بچل گیا — عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا
اتنا نہ تنگ ہو میرے رہنے سے یہاں گھر میں — یہ ہی نہ شوخ گر نہ گیا آج نکل گیا
مے کشوں نے مے میں پایا جنگیوں نے ننگ میں — مل رہا ہے وہ طرح پانی کے ہر یک رنگ میں
ایکدم بہر رفتن کی نہ ہم اپوائے جہل — عمر صد سالہ گنوائے فکر نام و ننگ میں
شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا — بجھ نہیں جانتا چراغ اپنا
یہاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام — آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا
ساتھ تجھسے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے — عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے
عقدہ پر عقدہ کیئے چرخ نے مضبوط اگر — اک گرہ رشتہ مقصود سے وا کی ہم نے
ڈر ہے اسوقت کا ظالم کہ لہو دل سے منہ — جس گھڑی رو بفلک ہو کے دعا کی ہم نے
درد نے دلکی سر مو نہ تفاوت نکیا — اپنے سے کتنے ہی دارو و دوا کی ہم نے
[illegible] بہ گرگئی اپنی نہ وار آئی — ہوئے ہم غرق دریا اس گھڑی جب عین دھار آئی

سو لہراب بیتاب کم دماغ و خلوت دوست است رنگ سخن و ربط کلام نیکو فہمد شعرش روز بروز در ترقی است انشاءاللہ تعالیٰ بزعم تا تواں ہنیی روزگار دراندک مدتے بہار فکرش رنگے دیگر پیدا خواہد کرد با فقیر قدم دوستی دارد او تعالیٰ برعمرش بیفزاید۔

نہ رہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم — پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہی ایک شرط ہے تری اخلاص — کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
گو کہ تجھ لطف کے قابل دل رنجور نہیں — پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھ دور نہیں
قصر شہ دیکھا ہیں اور کلبۂ درویش بھی یہاں — بہر آرام کوئی خانہ بہ از گور نہیں

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں | کہ خوباں یوں ہیں ہائے دیں ہم انکو اس طرح چاہیں
ادھر نالا کیا ادھر وہ مضطر ہو چلا آیا | عجب دل بھے وہ جن روز وہیں سکتی تھیں اثر آہیں
کر گیا کشش سے نفس کے دل کا روشن آئینہ | مصقلہ کے فیض سے ہوتا ہے آہن آئینہ
اہل دل تزئین ظاہر کے نہیں طالب کبھو | خانہ چوبی میں نت رکھتا ہے مسکن آئینہ
آہ دی سینے میں آتش کو نسیم درد نے | دل سے پیکر منہ تلک اٹھا ہوا ایک دود ہے
دیکھے ہی مقبول کو بیتاب یہاں ہر قبول | وائے اس پر جو کہ اس درگاہ کا مردود ہے
سبز سے پاس کے خدا کے نہ مارا گیا ہے ایک | اس گلزمیں میں کھیت ہزاروں جوان کا ہے
جی میں ہے اسکی بات میں اب پھر نہ بولیے | لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے
مدت سے انتظار میں اپنی کٹی ہے یہاں | اب تک جو ہم نہ آئے الٰہی کہاں رہے
یوں رہے ہے شام غم کا اسد دل مخزون کو چاہے | جسطرح کٹتی ہیں گھڑیاں اہل صوم افطار کی
خانہ مسجد بنا کرنے سے کیا حاصل تھا شیخ | کاش اس جا گہہ دکاں ہوتی کسی خمار کی
میں اور اقبال عشق کا ادھ سکے یہ کیا ممکن تھا لیک | عقل نہیں رہتی جب آتی ہے گھڑی ادبار کی
میں تو اے بیتاب توبہ کی نہیں [illegible] | گو کہ نادانی سے اپنی ہیں نے استغفار کی
محبت ابتلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی | کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی
نہ ہو یارب جدا سر سے مرے اس زلف کا شانہ | ہے ناممعول نیچے بید کے تصویر مجنوں کی
کسی لیلیٰ وش کو تو نہ اب بیتاب دل بجو | کہ دیوانے نصیحت ہے یہ اپنے پیر مجنوں کی
میں گو افتادگان کو ہے نومید ہی سے ہوں لیکن | توقع ہے تو وہی تیرے کرم کی دستگیری ہے
عشق میں لگ ہے عقل کے نیش ہے | نت نیا یہاں ماجرا درپیش ہے
شب سے جھے رہنے سے کیونکر اپنے پاس | گو ہے وہ لڑکا پہ دور اندیش ہے

جب سے ناف تک یہ زاہدا — ریش ہے یہ یار مکر و کیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے — نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یہاں آ کے ہم اپنے مدعا کو بھولے — ہل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائے سب عمر — اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

آلودہ انواع جرائم فقیر مولف قیام الدین قائم ہر چند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تا این حال بتوسل نوکری بادشاہے بدار الخلافت شاہجہان آباد گذرانندہ و لیل و نہار بمقتضاے مناسبت بصحبت سخن سنجان عالی مقدار بسر بردہ درین ایام کہ رشتہ سلک انتظام مردم بادشاہے بصدمہ انقلاب سلطنت از ہم گسیخت و ہر یکے چون لالے آبدار بر خاک مذلت افتادہ رو بہر سو نہاد و چند ناچار بلکہ بے اختیار ارادہ سفر برائے اقامت غالب آمد فرصت را غنیمت انگاشتہ مصمم ساخت کہ لختے از روزنامچہ اعمال و برخے از جریدۂ احوال ہر کدام بتقید قلم در آوردہ در حالت جدائی انیس تنہائی سازد بالجملہ بعد جد بسیار و کد بیشمار ترقیم ابیات و تصحیح حالات سخنوران متقدم و حال میسر گردید و این طے لسان ہزار پیوند بدین ابیات مجموعے بنظر ارباب بصر جلوہ گری بخشد او سبحانہ تعالیٰ این مصاحب صد زبان را بدست آرزومند ہر جنس سخن اندازد و از چشم بد نافہم مصئون داشتہ بحفظ حمایت خویش محفوظ دارد ۔

یارب این آرزوے من چہ خوش است — تو بدین آرزو مرا برسان

میخواستم کہ با وجود اشعار اعزہ با استکتاب خویش نہ پردازم و دل ہوس بیمار

راازیں اندیشہ فضول [illegible] نمائی سازم چہ نور نجوم در برابر ماہ تاباں معدوم است
و جلوہ ذرہ [illegible] حضور خورشید درخشاں معلوم امابحکم کلیہ استاد کہ گفتہ است۔

بدریائے لولو صدف نیز ہست
درختے بلند است در باغ و پست

جبار سے بکار رفت [illegible]

دل پاکے اس [illegible] رہگیا
درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا

جھگڑے میں ہم مبادی کے یہاں تک پھنسے کہ آہ
مقصود تھا جو اپنے تیں کام رہ گیا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

نے تجھ پہ وہ بہار ہے اور نے یہاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا

اے ابر اپنے گریہ میں جس وقت جوش تھا
جو قطرہ اشک تھا سو طوفاں بدوش تھا

کسکی نگاہ گرم تھی گلشن پہ اے نسیم
شبنم سے برگ گل لب تبخالہ جوش تھا

کیونکر کہوں کہ مست کیا کسنے میرا دل
تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

پھیر کے جو شوخ نظر کر گیا
تیر سا کچھ دل سے گذر کر گیا

خاک کا سا ڈھیر سر رہ ہوئیں
قافلہ عمر سفر کر گیا

خون شرر کاغذ آتش زدہ
شام غم اپنی ہیں سحر کر گیا

جلوہ کس جا پہ نہیں اس بت ہرجائی کا
یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا

چھوڑ تنہا مجھے یارب انہیں کیونکر گذری
غم جنہیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا

عار ہے ننگ [illegible] کو مجھ نام سے سبحان اللہ
کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

ٹکڑے کب غم نے یہ جگر نہ کیا
نہ کیا نالہ ہم نے پر نہ کیا

دل سے طوفانِ گریہ اٹھے ہزار
ہم نے پر یک قطرہ کو تر نہ کیا

پائے دیوار دوست یک مدت
ہم نے کاٹے پہ نالہ سر نہ کیا

موج گرداب کی طرح ہم نے
گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا

کار دنیا پڑا سپہر کے ہاتھ
جب کہ ہم نے یہ درد سر نہ کیا

دل نہ دنیا ہی خوب تھا پر حیف
ہم نے یہ شوخ پیشتر نہ کیا

بارہا دل گیا اسی رہ سے
پر تقید میں چشم تر نہ کیا

دوس کیا دیکھیے جور کو قائم
بند گھر کا میں آپ در نہ کیا

ٹوٹا جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

ہے آپ سے بھی توقع غلط کہ ناخن فکس
کبھی نہ کھینچتے دیکھا میں خار ماہی کا

کہاں ہیں دیدہ گریاں کہ اب بقید عمر
کریں علاج ہم اس اپنی روسیاہی کا

فلک جو دے تو خدائی کو لے ہے اب قائم
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

میں نہ وہ ہوں کہ تنک غصے میں ٹل جاونگا
ہنس کے تم بات کرو گے میں سنبھل جاونگا

ہم نشیں کیجیو تقریب تو شب باشی کی
آج گر نشاہ کا حیلہ میں مچل جاونگا

دل میرے ضعف پہ کیا رحم تو کھاتا کہ نہیں
جان سے اب کے بچا ہوں تو سنبھل جاونگا

سیر اس کوچے کی کرتا ہوں کہ جبریل جہاں
جا کے بولا کہ بس اب آگے میں جل جاونگا

آپ جو کوچے سے تیرے جائیگا
کچھ سمجھ کر ہی پھر آئے گا

دل کہاں تک اٹھائے جور ترے
تجھسے اب دل ہی کو اٹھائے گا

خس نمط ساتھ موج کے لگ لے
بہتے بہتے کہیں تو جائے گا

تمت بالخیر